دار العلوم کراچی کا ترجمان

جمادی الاولیٰ ۱۴۰۷ھ جنوری ۱۹۸۷ء

بانی

مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ

جلد ۲۱

جمادی الاولیٰ ۱۴۰۷ھ جنوری ۱۹۸۷ء

شمارہ ۵

نگران:

حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی

مدیر:

محمد تقی عثمانی

ناظم:

شجاعت علی ہاشمی

قیمت فی پرچہ پانچ روپے

سالانہ پچاس روپے

سالانہ بدل اشتراک:

بیرونِ ممالک بذریعہ ہوائی ڈاک ورجسٹری:

ریاستہائے متحدہ امریکہ / ۲۳۰ روپے برطانیہ، جنوبی افریقہ، ویسٹ انڈیز، برما، انڈیا، بنگلہ دیش، تھائی لینڈ

ہانگ کانگ، نائیجیریا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ / ۱۸۰ روپے سعودی عرب، عرب امارات، مسقط، بحرین، عراق، ایران، مصر، کویت / ۱۵۰ روپے

پبلشر: محمد تقی عثمانی دار العلوم کراچی

پرنٹر: مشہور آفسٹ پریس، کراچی

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ "البلاغ" دار العلوم کراچی ۱۴

فون نمبر: ۳۱۱۲۱۷

ترتیب

ذکر و فکر

معارف و مسائل

مقالات و مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد و ستائش اس ذات کیلئے جس نے اس کارخانۂ عالم کو وجود بخشا

اور

درود و سلام اس کے آخری پیغمبر پر جنہوں نے دُنیا میں حق کا بول بالا کیا

پچھلے مہینے کراچی میں جو افسوسناک فسادات ہوئے، وہ جہاں انتہائی المناک، رُوح فرسا اور لرزہ خیز تھے، وہاں وہ ایک پاکستان جیسی اسلامی مملکت کی پیشانی پر ایسا بدنما داغ ہیں کہ ان کے تصور ہی سے پیشانی عرق عرق ہوجاتی ہے۔ کیا تصور تھا کہ ایک دین، ایک پیغمبر اور ایک کتاب کے ماننے والے محض نسل و زبان کے جاہلی نعروں کی بنیاد پر ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوں گے، اور ایک دوسرے پر ایسا ظلم روا رکھیں گے جو اسلام نے کافروں کے ساتھ بھی جائز قرار نہیں دیا؟ لیکن افسوس کہ یہ سب کچھ ہوا، دن دہاڑے ہوا، اور دُنیا بھر نے یہ خونریز تماشا دیکھا کہ انسان عداوت، عناد اور شرپسندی کا آلۂ کار بنکر پستی کی کس انتہا کو چھُو سکتا ہے؟

آج نہ صرف ملک، بلکہ پورے عالمِ اسلام میں جہاں جہاں ان دلدوز واقعات کی خبر پہنچی ہے وہاں ہر دل ان واقعات پر رو رہا ہے، ان واقعات میں سینکڑوں خاندانوں کو جو نقصانات پہنچے ہیں، ان کے مالی معاوضے کے مطالبے بھی ہو رہے ہیں جو یقیناً معقول ہیں، لیکن واقعہ تو یہ ہے کہ جن گھروں کے چراغ ہمیشہ کیلئے گُل ہوئے، ان کے نقصان کی حقیقی تلافی کوئی بڑے سے بڑا مالی معاوضہ بھی نہیں کر سکتا۔

دوسری طرف دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس قسم کے دلدوز سانحات کا اصل سبب اور ان کا وہ پائیدار علاج کیا ہے جسے اختیار کرنے کے بعد ایسے انسانیت سوز واقعات کا اعادہ نہ ہو؟

اس بات میں کوئی شبہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ واقعات محض اتفاق کا کرشمہ نہیں ہیں، یقیناً ان کے پیچھے کوئی اندرونی یا بیرونی ہاتھ کارفرما ہے جو اس تخریب کاری کا بلاواسطہ ذمہ دار ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ اس خفیہ ہاتھ کی سازش ہمارے درمیان کامیاب کیسے ہو جاتی ہے؟ وہ کیا اسباب ہیں جن کے تحت مسلمان اپنے درمیان نسل و زبان کے فتنے جگانے والوں کا ہاتھ پکڑنے کے بجائے اُن کے ہاتھ میں خود کھلونا بن جاتے ہیں؟

ہماری رائے میں اس صورتِ حال کا اصل سبب ایک ہی ہے، اور افسوس یہ ہے کہ اس کی طرف ہماری توجہ سب سے کم، بلکہ کالعدم ہے ــــ پاکستان اسلام کے نام پر بنا تھا، اس کے قیام کی کوئی وجہِ جواز "مسلم قومیت" کے سوا نہیں تھی، اور اسی کلمۂ لا إله إلا الله کے نام پر مسلمان اپنے ذاتی، گروہی اور لسانی مفادات کو قربان کر کے تحریکِ قیامِ پاکستان میں شامل ہو گئے تھے۔

اگر پاکستان کو انہی بنیادوں پر تعمیر کیا جاتا جن بنیادوں پر اس کا قیام عمل میں آیا تھا تو رنگ و نسل کے فتنے نہیں جاگ سکتے تھے، اسلام کا عملی نفاذ سب کی منزلِ مقصود تھی، اور اسی میں ہر طبقے اور ہر حلقے کے جائز حقوق کی ضمانت پنہاں تھی، لیکن ہماری قومی تاریخ کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ پاکستان بننے کے بعد ہم نے اس مقصدِ اعظم کو پسِ پشت ڈال دیا، اور یہاں اسلام کے عملی نفاذ اور اسے اپنی تمام پالیسیوں کا محور قرار دینے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں ہوئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ قومی سطح پر کسی بلند مقصد کی عدم موجودگی میں یہاں مفاد پرستی اور دنیوی اور مادی مقاصد کی دوڑ شروع ہوئی، ہر شخص اپنی ذات کے پنجرے میں بند ہو کر سوچنے لگا، اور اپنی ذات کیلئے زیادہ سے زیادہ دولت، زیادہ سے زیادہ شہرت اور بڑے سے بڑا منصب حاصل کرنا ہی منتہائے مقصود بن گیا۔

جب کسی قوم کے افراد اپنی اپنی ذات کے دائرے میں محبوس ہو جائیں، اور ان کی ساری فکری اور عملی توانائیوں کا محور صرف ذاتی مفادات کا حصول رہ جائے تو وہ قوم دشمنوں کی سازشوں کے لئے آسان ترین شکارگاہ بن جاتی ہے، پھر اس میں بڑی آسانی سے ہر فتنہ کھڑا کیا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اب ظاہری سطح پر فسادات کا سلسلہ بند ہو گیا ہے، لیکن لوگ جن لرزہ خیز حالات سے گذرے ہیں، اور ان کی پشت پر جو اسباب کارفرما رہے ہیں، ان کے پیشِ نظر یہ دبی ہوئی چنگاری کسی وقت بھی پھر ایک فتنۂ عظیم بن سکتی ہے، لہٰذا اس سکون کی حالت کو غلط نہ سمجھنے کے بجائے اسے فتنے کے اسباب کا قلع قمع کرنے میں صرف کرنا ضروری ہے۔

جہاں تک عوام کا تعلق ہے، ان سے تو ہماری گذارش یہی ہوگی کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے انہیں اسلام کے ان احکام سے کبھی صرفِ نظر نہیں کرنا چاہیئے جو دوسرے مسلمانوں کی جان و مال

اور آبرو کے تحفظ سے متعلق ہیں۔ نبی کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے حجۃ الوداع کے خطبے میں اُمتِ مسلمہ کو جو ہدایات عطا فرمائیں، اُن میں یہ ہدایت سرِ فہرست تھی کہ :

" تم میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا، کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو، یاد رکھو! کہ تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری آبرو ایک دوسرے پر اس طرح حرام ہیں جیسے اِس دن کی حرمت، اِس مہینے کی حرمت اِس شہر (مکہ مکرمہ) کی حرمت "۔

ایک دوسری حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مؤمن کی حرمت کو کعبۃ اللہ سے بھی زیادہ حرمت کا حامل قرار دیا، گویا کسی مسلمان کی جان، مال اور آبرو پر حملہ بیت اللہ شریف پر حملے سے بھی زیادہ بڑا گناہ ہے۔ چنانچہ اسلام میں شرک کے بعد کسی انسان کو ناحق قتل کرنے سے بڑا گناہ کوئی نہیں، اور قرآن کریم نے واضح الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے کہ :

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا ،

"اور جو شخص کسی مؤمن کو جان بوجھ کر قتل کرے، اس کا بدلہ جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا" (النسآء : ۹۳)

قرآن وحدیث کے ان ارشادات کے بعد کسی مسلمان کی یہ جرأت نہ ہونی چاہیئے کہ، سنگین سے سنگین حالات میں بھی، وہ کسی دوسرے مسلمان کی جان ومال پر ناحق حملہ آور ہو۔

اور جہاں تک حکومت کا تعلق ہے، اس کی ذمّہ داری اس معاملے میں بڑی گھمبیر ہے، اس کا فرض ہے کہ :-

(۱) جن گھرانوں کو ان فسادات میں جانی یا مالی نقصان پہنچا ہے، ان کے نقصان کی کم از کم مالی تلافی کیلئے انہیں معقول معاوضہ دے۔
(۲) جو لوگ شر پسندی کے تحت ان فسادات کے مجرم ثابت ہوں انہیں قرارِ واقعی سزا دے۔
(۳) تمام باشندوں کو ان کے تمام جائز حقوق بلا امتیاز رنگ ونسل فراہم کرے۔
(۴) اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ملک میں اسلام کے نفاذ اور اسلامی طرزِ فکر وعمل کے فروغ کو اپنا اولین فریضہ قرار دیکر پوری سنجیدگی سے اسکی طرف متوجہ ہو۔

ان لازمی اقدامات کے بغیر ملک میں امن وسکون اور اطمینان کی فضا قائم نہیں ہو سکتی۔ اگر اب بھی ہماری آنکھیں نہ کھلیں تو ہمارے مستقبل کا خدا ہی حافظ ہے۔ وما علینا الا البلاغ ۔

محمد تقی عثمانی

۲ ر جمادی الاولیٰ ۱۴۰۷ھ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ

حضرت ایوبؑ کے مرض کی نوعیت

معارف القرآن ❁ سورۂ ص ❁ آیت ۴۱ تا ۴۴

خلاصۂ تفسیر

اور آپ ہمارے بندہ ایوب (علیہ السلام) کو یاد کیجئے جبکہ انھوں نے اپنے رب کو پکارا کہ شیطان نے مجھ کو رنج اور آزار پہنچایا ہے اور یہ رنج و آزار بعض مفسرین کے قول کے مطابق وہ ہے جو امام احمدؒ نے کتاب الزہد میں ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ایوبؑ کی بیماری کے زمانے میں ایک بار شیطان ایک طبیب کی شکل میں حضرت ایوبؑ کی بیوی کو ملا تھا۔ اسے انھوں نے طبیب سمجھ کر علاج کی درخواست کی، اُس نے کہا اس شرط سے کہ اگر ان کو شفا ہو جائے تو یوں کہہ دینا کہ تو نے ان کو شفا دی، میں اور کچھ نذرانہ نہیں چاہتا۔ انھوں نے ایوب علیہ السلام سے ذکر کیا، انھوں نے فرمایا کہ بھلی مانس وہ تو شیطان تھا میں عہد کرتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو شفا دیدے تو میں تجھ کو سو قمچیاں ماروں گا۔ پس آپ کو سخت رنج پہنچا اس سے کہ میری بیماری کی بدولت شیطان کا یہاں تک حوصلہ بڑھا کہ خاص میری بیوی سے ایسے کلمات کہلانا چاہتا ہے جو ظاہراً موجب شرک ہیں۔ گو تاویل سے شرک نہ ہوں اگرچہ حضرت ایوبؑ ازالۂ مرض کے لئے پہلے بھی دعا کر چکے تھے۔ مگر اس واقعہ سے اور زیادہ ابتہال اور تضرع سے دُعا کی، پس ہم نے ان کی دعا قبول کر لی اور حکم دیا کہ) اپنا پاؤں (زمین پر) مارو۔ چنانچہ انھوں نے زمین پر پاؤں مارا تو وہاں سے ایک چشمہ پیدا ہو گیا۔ (رواہ احمد) پس ہم نے اُن سے کہا کہ۔ یہ (تمہارے لئے) نہانے کا ٹھنڈا پانی ہے اور پینے کا (یعنی اس میں غسل کرو اور پیو بھی، چنانچہ نہائے اور پیا بھی، اور بالکل اچھے ہو گئے) اور ہم نے ان کو ان کا کنبہ عطا فرمایا اور ان کے ساتھ (گنتی میں) ان کے برابر اور بھی (دیئے) اپنی رحمت خاصہ کے سبب سے اور اہلِ عقل کے لئے یادگار رہنے کے سبب سے (یعنی اہل

عقل یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ صابروں کو کیسی جزا دیتے ہیں اور اب ایوب علیہ السلام نے اپنی قسم پوری کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر چونکہ انھوں نے ایوب علیہ السلام کی خدمت بہت کی تھی اور ان سے کوئی گناہ بھی صادر نہ ہوا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ان کے لئے ایک تخفیف فرمائی) اور (ارشاد فرمایا کہ اے ایوبؑ) تم اپنے ہاتھ میں ایک مُٹھا سینکوں کا لو (جس میں سَو سینکیں ہوں) اور (اپنی بیوی کو) اس سے مار لو اور (اپنی) قسم نہ توڑو (چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آگے ایوب علیہ السلام کی تعریف کی ہے کہ) بے شک ہم نے ان کو (بڑا) صابر پایا، اچھے بندے تھے کہ (خدا کی طرف) بہت رجوع ہوتے تھے۔

معارف و مسائل

حضرت ایوب علیہ السلام کا واقعہ یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کی تلقین کرنے کے لئے لایا گیا ہے یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ سورۂ انبیاء میں گزر چکا ہے، یہاں چند باتیں قابل ذکر ہیں۔

مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ۔ (شیطان نے مجھ کو رنج اور آزار پہنچایا ہے) بعض حضرات نے شیطان کے رنج و آزار پہنچانے کی تفصیل یہ بیان کی ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام جس بیماری میں مبتلا ہوئے وہ شیطان کے تسلط کی وجہ سے آئی تھی اور ہوا یہ تھا کہ ایک مرتبہ فرشتوں نے حضرت ایوب علیہ السلام کی بہت تعریف کی جس پر شیطان کو سخت حسد ہوا اور اس نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ مجھے اس کے جسم اور مال و اولاد پر ایسا تسلط عطا کر دیا جائے جس سے میں ان کے ساتھ جو چاہوں سو کروں، اللہ تعالیٰ کو بھی حضرت ایوب علیہ السلام کی آزمائش مقصود تھی، اس لئے شیطان کو یہ حق دیدیا گیا اور اس نے آپ کو اس بیماری میں مبتلا کر دیا۔

لیکن محقق مفسرین نے اس قصے کی تردید کرتے ہوئے کہا ہے کہ قرآن کریم کی تصریح کے مطابق انبیاء علیہ السلام پر شیطان کو تسلط حاصل نہیں ہو سکتا اس لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ اُس نے آپ کو بیمار ڈال دیا ہو۔

بعض حضرات نے شیطان کے رنج و آزار پہنچانے کی یہ تشریح کی ہے کہ بیماری کی حالت میں شیطان حضرت ایوب علیہ السلام کے دل میں طرح طرح کے وسوسے ڈالا کرتا تھا، اس سے آپ کو اور زیادہ تکلیف ہوتی تھی، یہاں آپ نے اسی کا ذکر فرمایا ہے۔ لیکن اس آیت کی سب سے بہتر تشریح وہ ہے جو حضرت تھانویؒ نے بیان القرآن میں اختیار کی ہے اور جو خلاصہ تفسیر میں اوپر لکھی گئی ہے۔

حضرت ایوبؑ کے مرض کی نوعیت قرآن کریم میں اتنا تو بتایا گیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کو ایک شدید قسم کا مرض لاحق ہو گیا ہو گیا تھا، لیکن اس مرض کی نوعیت نہیں بتائی گئی۔ احادیث میں بھی اس کی کوئی تفصیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں ہے۔ البتہ بعض آثار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے جسم کے ہر حصے پر پھوڑے نکل آئے تھے، یہاں تک کہ لوگوں نے گھن کی وجہ سے آپ کو ایک کوڑی پر ڈال دیا تھا۔ لیکن بعض محقق مفسرین نے ان آثار کو درست تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے ان کا کہنا ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر بیماریاں تو آسکتی ہیں لیکن انھیں ایسی بیماریوں میں مبتلا نہیں کیا جاتا۔ جن سے لوگ گھن کرنے لگیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری بھی ایسی نہیں ہو سکتی، بلکہ یہ کوئی عام قسم کی بیماری تھی۔ لہٰذا وہ آثار جن میں حضرت ایوب علیہ السلام کی طرف پھوڑے پھنسیوں کی نسبت کی گئی ہے یا جن میں کہا گیا ہے کہ آپ کو کوڑی پر ڈال دیا گیا تھا روایۃً و درایۃً قابل اعتماد نہیں ہیں۔ ——————— (ملخص از روح المعانی و احکام القرآن)

خُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا (تم اپنے ہاتھ میں ایک مٹھا سینکوں کا لو) اس واقعہ کا پس منظر اوپر خلاصۂ تفسیر میں آچکا ہے یہاں اس واقعے سے متعلق چند مسائل درج کئے جاتے ہیں:۔

پہلا مسئلہ تو یہ ہے کہ اس واقعے سے یہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی کو سو قمچیاں مارنے کی قسم کھالے اور بعد میں سو قمچیاں الگ الگ مارنے کے بجائے تمام قمچیوں کا ایک گٹھا بنا کر ایک ہی مرتبہ ماردے تو اس سے قسم پوری ہو جاتی ہے۔ اسی لئے حضرت ایوب علیہ السلام کو ایسا کرنے کا حکم دیا گیا۔ یہی امام ابو حنیفہؒ کا مسلک ہے لیکن جیسا کہ علامہ ابن ہمامؒ نے کہا ہے اس کے لئے دو شرطیں ضروری ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس شخص کے بدن پر ہر قمچی طولاً یا عرضاً ضرور لگ جائے۔ دوسرے یہ کہ اس سے کچھ نہ کچھ تکلیف ضرور ہو، اگر اتنے ہلکے سے قمچیاں بدن کو لگائی گئیں کہ بالکل تکلیف نہ ہوئی تو قسم پوری نہیں ہوگی۔ حضرت تھانوی ؒ نے بیان القرآن میں جو لکھا ہے کہ قسم پوری نہیں ہوگی، تو غالباً اس کی مراد یہی ہے کہ تکلیف بالکل نہ ہو یا کوئی قمچی بدن کو لگ جانے سے رہ جائے، ورنہ فقہائے حنفیہؒ نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر مذکورہ دو شرطوں کے ساتھ مارا جائے تو قسم پوری ہو جاتی ہے۔

(ملاحظہ ہو، فتح القدیر۔ ص ۱۳۰، ج ۴)

حیلوں کی شرعی حیثیت اس آیت سے دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ کسی نامناسب یا مکروہ بات سے بچنے کے لئے کوئی شرعی حیلہ اختیار کیا جائے تو وہ جائز ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے واقعہ میں قسم کا اصلی تقاضا یہ ہے کہ آپ اپنی زوجۂ مطہرہ کو پوری سو قمچیاں ماریں لیکن چونکہ ان کی زوجۂ مطہرہ بیگناہ تھیں اور انہوں نے حضرت ایوب علیہ السلام کی بے مثال خدمت کی تھی، اسلئے اللہ تعالیٰ نے خود حضرت ایوب علیہ السلام کو ایک حیلہ کی تلقین فرمائی اور یہ تصریح کر دی کہ اس طرح ان کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اسلئے یہ واقعہ حیلہ کے جواز پر دلالت کرتا ہے۔

لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس قسم کے حیلے اسی وقت جائز ہوتے ہیں جبکہ انہیں شرعی مقاصد کے ابطال کا ذریعہ نہ بنایا جائے اور اگر حیلہ کا مقصد یہ ہو کہ کسی حقدار کا حق باطل کیا جائے، یا کسی صریح فعل حرام کو اس کی روح برقرار رکھتے ہوئے اپنے لئے حلال کر لیا جائے تو ایسا حیلہ بالکل ناجائز ہے مثلاً زکوٰۃ سے بچنے کے لئے بعض لوگ یہ حیلہ کرتے ہیں کہ سال کے ختم ہونے سے ذرا پہلے اپنا مال بیوی کی ملکیت میں دیدیا، پھر کچھ عرصہ کے بعد بیوی نے شوہر کی ملکیت میں دیدیا اور جب اگلا سال ختم ہونے کے قریب ہوا تو پھر شوہر نے بیوی کو ہبہ کر دیا۔ اس طرح کسی پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، ایسا کرنا چونکہ مقاصد شرعیہ کو باطل کرنے کی ایک کوشش ہے، اس لئے حرام ہے اور شاید اس کا وبال ترک زکوٰۃ کے وبال سے زیادہ بڑا ہو (روح المعانی از مبسوط سرخسی)

نامناسب کام پر قسم کھانا تیسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی نامناسب، غلط یا ناجائز فعل پر قسم کھالے تو قسم منعقد ہو جاتی ہے اور اس کے توڑنے پر بھی کفارہ آتا ہے، ظاہر ہے کہ اگر اس صورت میں کفارہ نہ آتا تو حضرت ایوب علیہ السلام کو یہ حیلہ تلقین نہ فرمایا جاتا، لیکن ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ کسی نامناسب کام پر قسم کھالی جائے تو شرعی حکم یہ ہے کہ اُسے توڑ کر کفارہ ادا کر دیا جائے ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:۔

" جو شخص ایک قسم کھالے، پھر بعد میں اس کی رائے یہ ہو کہ اس قسم کے خلاف عمل کرنا زیادہ بہتر ہے تو اُسے چاہیئے کہ وہ وہی کام کرے جو بہتر ہو، اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دے "

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْن

انتہائی غم اور افسوس کے ساتھ قارئین "البلاغ" کو یہ اطلاع دی جارہی ہے کہ ممتاز عالم دین موتمر عالم اسلامی کے ڈائریکٹر دعوۃ ارشاد اور دار العلوم کراچی کے سابق ناظم حضرت مولانا نور احمد صاحب نور اللہ مرقدہ ۲ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۷ھ کی رات کو ساڑھے بارہ بجے دار فانی سے دار القرار کی طرف کوچ کر گئے۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْن مولانا مرحوم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے داماد بھی تھے اور "ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ" کے بانی و نگراں تھے۔ آپ نے دین کی گرانقدر خدمت خاص کر قرآن عظیم اور اسلامی کتب کی اشاعت میں انجام دی۔

چونکہ اس اطلاع کے وقت "البلاغ" کا شمارہ پریس جانے کے لئے تیار تھا اس لئے ان کے مفصل حالات انشاء اللہ آئندہ کسی شمارہ میں قارئین کے سامنے پیش کئے جائیں گے۔ قارئین "البلاغ" سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کی کامل مغفرت فرمائے اور ان کو جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین (ادارہ)

محمد تقی عثمانی

ارض اقصیٰ تک

(۲)

تبوک میں ایک رات:

ہم مغرب کے وقت تبوک پہنچے تھے، اور وہ رات ہمیں تبوک ہی میں گذارنی تھی۔ ہمارے رفیق سفر جناب قاری بشیر احمد صاحب نے یہاں کے مرکزی بازار میں ایک صاف ستھرے ہوٹل میں قیام کا انتظام پہلے سے کر رکھا تھا۔ دن بھر کے سفر سے تھکن اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی، لہٰذا ہوٹل کے آرام دہ کمرے میں پہنچکر بڑی راحت محسوس ہوئی، لیکن تصور یہ بندھا ہوا تھا کہ ہم لتنے آرام و راحت کے ساتھ شاندار کار میں صرف دن بھر کا سفر طے کر کے لتنے تھک گئے۔ لیکن سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء نے یہ لق و دق صحرا شدید گرمی کے موسم میں اونٹوں پر طے فرمایا تھا۔

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

یہاں سردی مدینہ منورہ سے کافی زیادہ تھی، عشاء کے وقت گرم پانی سے وضو کر کے ہم اُس مقدس مسجد کی طرف روانہ ہوئے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خیمہ گاہ پر بنائی گئی ہے، یہ مسجد ہوٹل سے کچھ فاصلے پر تھی، اس لئے کار میں جانا پڑا، نماز عشاء الحمد للہ اسی مسجد میں ادا کی، اس وقت تو مسجد بڑی طویل و عریض اور شاندار ہے، لیکن اس کے ہال کے بیچوں بیچ چھت میں ایک مربع نشان بنا ہوا ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ تبوک کے قیام کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خیمۂ مبارک اس جگہ پر نصب تھا۔

تبوک اِس وقت تو ایک جدید انداز کا شہر ہے، جو چھوٹا ہونے کے باوجود بڑا خوبصورت، بارونق اور جدید تمدنی سہولیات سے آراستہ ہے، لیکن عہدِ رسالت ؐ میں یہ ایک چھوٹی سی بستی

تھی، اور یہاں پانی کا ایک چشمہ تبوک کہلاتا تھا، اسی کے نام پر بستی تبوک کے نام سے مشہور ہوگئی۔ غزوۂ تبوک کا سفر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام سفروں میں غالباً سب سے زیادہ پُرمشقت سفر تھا۔ اور اس کی وجہ یہ پیش آئی تھی کہ ۹ھ میں عرب کے عیسائیوں نے روم کے بادشاہ ہرقل کے پاس یہ لکھ بھیجا تھا کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا (معاذ اللہ) انتقال ہوگیا ہے لوگ قحط زدہ ہیں اور بھوکوں مر رہے ہیں، لہٰذا عرب پر حملہ کرنے کیلئے اس سے بہتر موقع نہیں ہوسکتا۔ ہرقل نے یہ سُنکر فوراً تیاری کا حکم دیدیا، اور چالیس ہزار افراد پر مشتمل ایک لشکرِ جرار حملے کیلئے تیار ہوگیا۔[1]

دوسری طرف شام کے کچھ نبطی سوداگر زیتون فروخت کرنے کے لئے مدینہ منورہ آیا کرتے تھے، انہوں نے مسلمانوں کو بتایا کہ ہرقل نے آپ پر حملے کے لئے ایک زبردست لشکر تیار کیا ہے جس کا ہراول دستہ بلقاء تک پہنچ چکا ہے، اور ہرقل نے اپنی فوج کو سال بھر کی تنخواہیں بھی تقسیم کردی ہیں[2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبریں سُن کر بہ نفسِ نفیس تبوک تشریف لیجانے کا فیصلہ فرمایا، اور صحابۂ کرامؓ کو تیاری کا حکم دیدیا۔

وہ وقت صحابۂ کرام کیلئے شدید آزمائش کا وقت تھا، روم جیسی اُس دَور کی سُپر پاور سے مقابلہ، صحرائے عرب میں گرمی کے شباب کا وہ زمانہ جس میں آسمان شعلے برساتا اور زمین آگ اگلتی ہے، تقریباً آٹھ سو کیلو میٹر کا فاصلہ جو دہشتناک صحراؤں سے گذرتا تھا، سواریوں کی قلت، معاشی خستہ حالی اور مدینہ منورہ میں کھجوریں پکنے کا موسم، گویا سال بھر کی سخت محنت کا پھل اسی زمانے میں کھجوروں کی شکل میں سامنے آنے والا تھا جس پر سال بھر کی معیشت کا دارو مدار تھا، ایسی حالت میں مدینہ منورہ سے سفر اختیار کرنا مزید معاشی مشکلات کو دعوت دینے کے مرادف تھا۔

لیکن یہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے فداکار صحابۂ کرامؓ ہی کا حوصلہ تھا کہ وہ ان تمام مشکلات کو عبور کرکے اس صبر آزما سفر کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ اس سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے معجزات ظاہر ہوئے، بالآخر تبوک میں اسی جگہ قیام فرمایا جہاں آج یہ مسجد بنی ہوئی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک میں بیس دن قیام فرمایا، لیکن ہرقل کی طرف سے کوئی مقابلہ پر نہیں آیا۔ بظاہر جنگ نہیں ہوئی، لیکن آپؐ کے اتنی قربانیاں دیکر یہاں تشریف لانے سے اسلامی فتوحات کے سلسلے میں ایک نئے باب کا آغاز ہوا۔ دشمنوں پر مسلمانوں کا رعب طاری ہوا، اور آس پاس کے قبائل خود حاضر ہوکر مطیع ہوئے، شام ہی کے علاقوں جرباء، اذرح اور ایلہ کے حکمرانوں نے خود آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر صلح کی، اور جزیہ ادا کرنے پر راضی ہوئے

---

[1] مجمع الزوائد ص ۱۹۱، ج ۶ بحوالہ معجم طبرانی، و فتح الباری ص ۸۵، ج ۸،

[2] طبقات ابن سعد ص ۱۱۹، ج ۲۔

آپ نے انہیں صلح نامہ لکھ کر دیا۔

یہیں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو چار سو سواروں کے ساتھ دومۃ الجندل روانہ فرمایا۔ دومۃ الجندل بھی ہرقل کے زیر نگیں تھا، اور اس کا فرماں روا اکیدر شاہ روم کی طرف سے مقرر ہوتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد رضؓ کو بھیجتے وقت ان سے فرمایا تھا کہ جب تم دومۃ الجندل پہنچو گے تو اس کا حاکم اکیدر تمہیں شکار کرتا ہوا ملیگا، تم اسے قتل کرنے کے بجائے گرفتار کرکے میرے پاس لے آنا، چنانچہ جب حضرت خالد رضؓ دومۃ الجندل کے قلعے کے قریب پہنچے تو اکیدر گرمیوں کی چاندنی رات میں قلعے کی فصیل پر اپنی بیوی کے ساتھ بیٹھا گانا سُن رہا تھا، اچانک اُس نے دیکھا کہ ایک نیل گائے قلعے کے پھاٹک سے ٹکر مار رہی ہے، اکیدر فوراً اپنے بھائی وغیرہ کے ہمراہ اس کے شکار کیلئے قلعے سے اُترا، اور گھوڑے پر سوار ہو کر اس کے پیچھے دوڑا، اُدھر سے حضرت خالد بن ولید رضؓ آپہنچے، اکیدر کا بھائی حسان مارا گیا، اور حضرت خالد رضؓ اکیدر کو گرفتار کرکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے۔ اکیدر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دو ہزار اونٹ، آٹھ سو گھوڑے، چار سو زرہیں اور چار سو نیزے دینے کا معاہدہ کرکے صلح کی[1] اور جزیہ ادا کرکے اسلامی ریاست کے تابع بننا منظور کیا۔

تبوک کی اس مسجد میں — جسے وہاں مسجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہا جاتا ہے — پہنچنے کے بعد غزوۂ تبوک کے یہ تمام واقعات بزم خیال پر چھائے رہے، اور ان کے تصور سے ایک عجیب کیف و سرور محسوس ہوتا رہا۔ اللھم صلّ علی سیدنا و مولانا محمد النبی الأمی وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔ نماز عشاء کے بعد ایک پاکستانی ریسٹورنٹ میں کھانا کھایا، تبوک سے کچھ فاصلے پر سعودی فوج کی چھاؤنی ہے اور پاکستانی فوج کی ایک خاصی تعداد وہاں مدت سے مقیم ہے، اس لئے تبوک میں پاکستانیوں کی آمدورفت کافی رہتی ہے۔ چنانچہ یہاں پاکستانی ریسٹورنٹ بھی کافی ہیں۔ اس ریسٹورنٹ کے مالک بھی پاکستانی تھے، اور ہمارے رفیق سفر قاری بشیر احمد صاحب کے دوست۔ رات کا کھانا انہی کی طرف سے تھا، اور انہوں نے بڑی محبت سے خاص پاکستانی کھانے تیار کرائے تھے، جو دن بھر کی تھکن کے بعد بڑی رغبت سے کھائے گئے۔

کھانے کے بعد مختصر سی چہل قدمی کرکے ہم لوگ جلد ہی سو گئے۔

اگلی صبح (۲ جنوری ۱۹۸۶ء) فجر پڑھتے ہی ہم نے مختصر ناشتہ کیا، اور اگلے سفر پر روانہ ہو گئے۔ یہاں سے اردن کی حد تقریباً سو کیلومیٹر کے لگ بھگ ہے، مولوی عطاء الرحمن صاحب نے اپنی تازہ دم ڈرائیونگ کے ذریعے یہ فاصلہ بہت جلد طے کر لیا۔ اس سمت میں سعودی عرب کی حد ی بستی حالۃ عمار تھی، وہاں کسٹم اور امیگریشن وغیرہ کی چوکیاں بنی ہوئی ہیں، صبح سویرے یہاں ہجوم زیادہ نہ تھا، اس لئے یہ مراحل جلد ہی طے ہو گئے۔ دوبارہ

---

[1] عیون الاثر، لابن سید الناس، ص ۲۸۲ و ۲۸۳۔

گاڑی میں سوار ہوئے تو چند لمحوں میں ہم سعودی عرب سے نکل کر اُردن کے علاقے میں داخل ہو چکے تھے اُردن کی سرحدی چوکی مدوّرہ پر دوبارہ کسٹم اور امیگریشن وغیرہ کے مراحل سے گزرنا پڑا، یہاں قدرے دیر لگی، اور جب ہم یہاں سے روانہ ہوئے تو دس بج چکے تھے۔

چند گز کا فاصلہ طے کرنے پر دُنیا بدلی ہوئی تھی، لوگوں کا لباس، طرزِ گفتگو، سڑکوں اور عمارتوں کا انداز، غرض ہر چیز میں فرق نمایاں تھا۔ مدینہ منورہ سے حالۃ عمار تک کی سڑک اگرچہ چوڑی زیادہ نہیں تھی، لیکن نہایت ہموار اور شاندار تھی جس پر گاڑی تیزی چلی آئی، لیکن اردن میں داخل ہونے کے بعد سڑک کی حالت خستہ تھی، اس لئے سفر کی رفتار بھی سست ہوگئی، اور سفر نسبۃً پُر مشقت بھی ہوگیا۔ جگہ جگہ سڑک کی مرمت ہو رہی تھی، اس لئے بار بار ہمیں کچے راستوں پر اُترنا پڑتا تھا۔ سرحد سے عمان تقریباً دو سو کیلو میٹر کے فاصلے پر ہے، اور یہ سارا راستہ خشک صحراؤں اور چٹانوں سے بھرپور ہے۔ کچھ دُور جانے کے بعد ایسی پہاڑیاں نظر آنے لگتی ہیں جن سے فاسفورس یا سفید پتھر نکل رہا ہے، لیکن اس راستے پر سبزہ نام کو بھی نظر نہیں آتا۔ تقریباً تین گھنٹے اسی سڑک پر سفر جاری رہا۔ راستے میں چھوٹی چھوٹی بستیاں اور شہر گذرتے رہے۔ بالآخر تقریباً ایک بجے اُردن کے دارالحکومت عمان کے آثار نظر آنے شروع ہوئے۔

عمان میں:

عمان میں داخل ہو کر راستوں کا تو کچھ علم نہ تھا، بعض راہگیروں سے پوچھ پوچھ کر ایک ہوٹل میں پہنچے، اور وہیں قیام کیا۔ سردیوں کا چھوٹا دن تھا، نماز ظہر اور دوپہر کے کھانے سے فارغ ہوئے تو عصر ہو چکی تھی، نماز عصر کے بعد یہاں کے ایک مشہور کتب خانے "دارالبشیر" جانے کا خیال تھا، وہاں سے بعض احباب کا پتہ بھی معلوم کرنا تھا، نیچے اُتر کر پتہ پوچھتے پوچھتے "دارالبشیر" پہنچ گئے۔ یہ کتب خانہ عمان کے ایک بارونق علاقے "عبدلی" میں واقع ہے، اور عربی کتابوں کی اشاعت اور فروخت کا بڑا عظیم الشان مرکز ہے۔ یہاں سے شام کے ایک عالم شیخ وھبی سلیمان کا پتہ بھی معلوم ہوا، کتب خانے سے ایک صاحب رہنمائی کیلئے ساتھ ہوگئے، اور انہوں نے شیخ وھبی سلیمان تک پہنچا دیا۔ ان سے تقریباً نصف گھنٹہ ملاقات رہی، اور بعض امور پر تبادلۂ خیال ہوا۔

یہاں سے ہم ہوٹل واپس آگئے۔ اردن میں پاکستان کے سفیر اُس وقت ڈاکٹر احسان رشید صاحب تھے، جو کراچی یونیورسٹی کے وائس چانسلر بھی رہ چکے ہیں، عصر کے وقت ان سے فون پر بات ہوئی تھی، اور اُن کی خواہش پر رات کا کھانا ان کے یہاں طے ہوگیا تھا، چنانچہ انہوں نے ۷½ بجے گاڑی بھیج دی، اور ہم آٹھ بجے کے قریب ان کے گھر پہنچ گئے۔ کھانے کے بعد رات گئے تک ان سے باتیں ہوتی رہیں۔ اردن کے بہت سے حالات معلوم ہوئے، اور رات گیارہ بجے کے قریب ہوٹل واپسی ہوئی۔

اگلا دن جمعہ تھا، اور ہم چاہتے تھے کہ اس دن ہم عمان اور اس کے مضافات کے خاص خاص مقامات کی زیارت کریں۔ سفیر پاکستان ڈاکٹر احسان رشید صاحب کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دیں کہ انہوں نے اپنے پرائیویٹ سیکریٹری ملک افضل صاحب کو رہنمائی کیلئے ہمارے ساتھ کر دیا۔ چنانچہ وہ صبح سویرے ہمارے

پاس پہنچ گئے۔

ہوٹل سے نیچے اُترے تو میرے بھانجے مولوی امین اشرف سلمہٗ نے توجہ دلائی کہ ہوٹل کے بالکل برابر میں ایک قدیم اسٹیڈیم بنا ہوا ہے، قریب پہنچے تو اندازہ ہوا کہ یہ عہدِ رسالتؐ سے بھی پرانی عمارت کا کھنڈر ہے جو ٹھیک اسی طرز پر بنی ہوئی ہے جیسے آجکل کھیلوں کے اسٹیڈیم بنائے جاتے ہیں۔ ملک افضل صاحب نے بتایا کہ یہ رومی دَور کا بنا ہوا اسٹیڈیم ہے جو اُس وقت کے مشہور اولمپک کھیلوں کیلئے استعمال ہوتا تھا۔ اسٹیڈیم بنانے کا آغاز بھی اسی دَور سے ہوا ہے۔ درحقیقت "اسٹیڈیم" ایک یونانی لفظ کی لاطینی ترمیم ہے۔ لاطینی زبان میں "اسٹیڈ" (Stade) ایک مسافت کا پیمانہ تھا، جو تقریباً ۶۰۶ فیٹ کے برابر ہوتی تھی، اُس دَور میں پیدل دوڑ کے جو مقابلے ہوتے تھے، اس کیلئے یہ معیاری مسافت سمجھی جاتی تھی، اور چونکہ دوڑ کیلئے جو میدان بنایا جاتا تھا، وہ ایک اسٹیڈ کی مسافت کا ہوتا تھا، اس لئے اس کا نام "اسٹیڈیم" (stadium) رکھا گیا، شروع میں یہ نام صرف دوڑ کے میدان کیلئے استعمال ہوا، لیکن اُس دور میں چونکہ دوسرے کھیلوں کے بھی مقابلے ہوتے تھے، اس لئے بعد میں توسعاً ہر قسم کے کھیلوں کے "اسٹیڈیم" کہا جانے لگا[1] اور اس کے ساتھ تماشائیوں کی سہولت کیلئے سیڑھیوں کے انداز کی نشیبی نشستیں بھی بنائی جانے لگیں۔

یہ اسٹیڈیم جو ہمارے سامنے تھا، اسی انداز پر بنا ہوا تھا، اس میں بنی ہوئی نشیبی نشستیں اب تک باقی ہیں، اور شاہی خاندان کے لوگوں کے بیٹھنے کیلئے الگ نشستوں کا بھی انتظام ہے۔ اگرچہ عمارت اب ویران پڑی ہے، اور اسے محکمۂ آثارِ قدیمہ نے محض سیاحوں کی دلچسپی کیلئے محفوظ رکھا ہوا ہے، لیکن یہ ویران کھنڈر بھی رومی دَور کے عیش و عشرت کی داستان سناتے ہیں، اور دیدۂ عبرت ہو تو اس کی ایک ایک اینٹ پر "کل من علیہا فان" کی ناقابلِ انکار حقیقت کندہ نظر آتی ہے۔ نہ جانے شان و شوکت کے کتنے مجسّمے یہاں کتنی مدت تک دادِ عیش دیتے رہے، لیکن عیش و تنعم کی وہ ساعتیں کتنی مختصر تھیں، اور ان کے مقابلے میں فنا و عدم کا زمانہ جو اب تک گذرا ہے، وہ کتنا طویل ہے، اور آگے بھی اس کی کوئی انتہا نہیں ؎

بس نامور کہ زیرِ زمیں دفن کردہ اند
خاکش چناں بخورد کزو استخواں نماند
خیرے کن اے فلاں وغنیمت شمار عمر
زاں بیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

یہاں سے ہم ملک افضل صاحب کی رہنمائی میں روانہ ہوئے۔ ذہن میں پروگرام یہ تھا کہ عمّان کے مضافات میں بعض انبیاء علیہم السلام اور صحابۂ کرامؓ کی بستیاں اور ان کے مزارات ہیں، نیز متعدد تاریخی مقامات واقع ہیں، ان کی زیارت کریں گے۔

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ص ۲۷۲ ج ۲۱ مقالہ "STADIUM"

گاڑی عمّان کی مختلف خوبصورت سڑکوں سے گذرتی رہی۔ عمّان اردن کا دارالحکومت ہے، اور ایک درجن سے زائد پہاڑوں پر اور ان کے دامن میں واقع ہے۔ ان میں سے سات پہاڑ زیادہ بڑے اور نمایاں ہیں، اور شہر کو سات بڑے محلّوں میں تقسیم کرتے ہیں، پہاڑوں اور ان کی وادیوں میں آباد ہونے کی بنا پر شہر میں نشیب و فراز بہت زیادہ ہیں، اور ان کی بنا پر شہر میں ایک منفرد حُسن پیدا ہوگیا ہے۔ شہر کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ شہر کی تقریباً تمام عمارتیں ایک ہی رنگ کے پتھر کی بنی ہوئی ہیں، یہ ایک ہلکا سرمئی مائل سفید پتھر ہے جو اردن ہی سے نکلتا ہے، اور بیشتر تعمیرات میں وہی استعمال ہوتا ہے، اس طرح شہر کی عمارتوں میں ایک دلآویز یک رنگی نظر آتی ہے۔

عمّان ہزاروں سال پرانا شہر ہے، کہتے ہیں کہ اس کی تاریخ حضرت لوط علیہ السلام کے زمانے تک پہنچتی ہے، اور اُس وقت سے اس کا یہی نام چلا آتا ہے۔ جس علاقے میں عمّان آباد ہے۔ اُسے بلقاء کہا جاتا تھا، یہ رومی سلطنت کا ایک ڈویژن جیسا تھا جس کا صدر مقام عمّان تھا۔ اسی لئے اُسے "عمّان البلقاء" بھی کہا جاتا ہے، اور حدیث میں اس شہر کا یہی نام آیا ہے۔ کتابوں میں پڑھا تھا کہ عمّان بڑا سرسبز و شاداب شہر ہے، لیکن اس وقت شہر کو تو زیادہ سرسبز نہیں پایا، البتہ اس کے مضافاتی علاقے کافی زرخیز اور شاداب ہیں۔

حضرت یوشع علیہ السلام کے مزار پر:

عمّان شہر سے نکلنے کے بعد ہم سب سے پہلے ایک انتہائی خوبصورت وادی سے ہوتے ہوئے ایک پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے جو اس علاقے میں سب سے بلند چوٹی نظر آتی تھی، اور وہاں سے دُور تک پھیلی ہوئی سبز پوش وادیاں بڑی خوبصورت معلوم ہو رہی تھیں۔ پہاڑ کے ایک کنارے پر ایک مسجد بنی ہوئی تھی، ملک افضل صاحب نے بتایا کہ حضرت یوشع علیہ السلام کا مزار اسی مسجد کے ایک کمرے میں واقع ہے۔ ہم مسجد میں داخل ہوئے تو اس کے ایک کمرے میں ایک نہایت طویل قبر بنی ہوئی تھی، اس کی لمبائی بارہ سے پندرہ گز کے درمیان ہوگی۔ اسی کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ حضرت یوشع علیہ السلام کا مزارِ مبارک ہے۔

حضرت یوشع علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خادمِ خاص تھے، ان کا اسمِ گرامی تو اگرچہ قرآن کریم میں مذکور نہیں ہے، لیکن ان کا نام لئے بغیر ان کے متعدد واقعات قرآن کریم میں بیان فرمائے گئے ہیں۔ مثلاً جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو عمالقہ سے جہاد کرنے پر آمادہ کرنا چاہا، اور پوری قوم نے انتہائی کم ہمتی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس دعوت کو رد کر دیا تو حضرت یوشع علیہ السلام پہلے شخص تھے جنہوں نے بنی اسرائیل کو ہمت دلانے کی کوشش کی

اسی طرح حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا جو واقعہ سورۂ کہف میں بیان ہوا ہے اس میں جو نوجوان حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھے، ایک صحیح حدیث کے مطابق یہی حضرت یوشع علیہ السلام تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کو نبوت عطا فرمائی گئی، اور بنی اسرائیل کی سربراہی بھی

انہی کو عطا ہوئی، اور فلسطین کے عمالقہ سے جہاد کا جو مشن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیاتِ مبارک میں تشنۂ تکمیل رہ گیا تھا، وہ آپ ہی کے ہاتھوں پورا ہوا، آپ نے بنی اسرائیل کو لیکر فلسطین پر قابض جابر و ظالم قوم عمالقہ سے جہاد کیا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو فتح عطا فرمائی، اور آپ پوری ارضِ مقدس پر قابض ہوگئے۔ قرآن کریم نے اس واقعہ کا بھی ذکر فرمایا ہے۔

اب اس بات کی سو فی صد تحقیق تو قریب قریب ناممکن ہے کہ یہ واقعۃً حضرت یوشع علیہ السلام کی قبر ہے یا نہیں؟ البتہ یہ تمام علاقہ اسی ارضِ مقدس کا حصہ ہے جسے حضرت یوشع علیہ السلام نے فتح فرمایا تھا، اس لئے یہ بات جو یہاں کے لوگوں میں مشہور چلی آتی ہے، کچھ بعید بھی نہیں۔ قبر کی غیر معمولی لمبائی ہمارے لئے حیران کن تھی، لیکن بعد میں اُردن اور شام کے اندر جو دوسرے انبیاء علیہم السلام کے مزارات دیکھے، وہاں بھی یہی صورت نظر آئی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس دَور میں کسی مقدس شخصیت کی تعظیم کے خیال سے اسکی قبر بہت لمبی بنائی جاتی تھی۔ واللہ اعلم،

بہرصورت! ایک جلیل القدر پیغمبر کے مزار پر حاضری اُور سلام عرض کرنے کی سعادت حاصل ہوئی، احقر کیلئے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کے بعد کسی پیغمبر کے مزار پر حاضری کا یہ پہلا اتفاق تھا۔

مسجد سے باہر نکلے تو سردی ناقابلِ برداشت حد تک شدید تھی۔ زبردست برفانی ہوائیں چل رہی تھیں، اور عجب نہیں کہ یہاں درجۂ حرارت نقطۂ انجماد تک پہنچا ہوا ہو۔ اس لئے باہر زیادہ دیر ٹھہرنا ممکن نہ تھا، ہم دوبارہ گاڑی میں سوار ہوگئے۔

وادیٔ شعیب میں:

یہاں سے نکل کر ہماری اگلی منزل وادیٔ شعیب تھی، یہ ایک انتہائی خوبصورت وادی ہے یہاں تک پہنچنے کیلئے کئی پہاڑی راستے طے کرنے پڑتے ہیں، سڑک ایک سرسبز پہاڑ کا طواف کرتی ہوئی چوٹی تک پہنچتی ہے، اس سڑک کے دونوں طرف انجیر اور زیتون کے خوشنما درختوں کی قطاریں سڑک پر سایہ کئے ہوئے ہیں، اور دھوپ چھن چھن کر سڑک تک پہنچتی ہے۔ بالکل اوپر پہنچنے کے بعد یہ وادی شروع ہوتی ہے۔ اسی وادی میں حضرت شعیب علیہ السلام کا مزار ہے۔

جس جگہ یہ مزارِ مبارک واقع ہے، وہ آجکل ایک فوجی مرکز کے طور پر استعمال ہو رہا ہے، اور ممنوعہ علاقوں میں شمار ہوتا ہے، لیکن ملک افضل صاحب خصوصی طور پر اجازت لیکر ہمیں اندر لیگئے۔ تھوڑی دُور چلنے کے بعد ہم دائیں جانب مڑے تو ایک چھوٹی سی مسجد نظر آئی، اس مسجد کے اندر حضرت شعیب علیہ السلام کا مزار ہے۔ یہاں حاضر ہوکر سلام عرض کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ قبر کی لمبائی یہاں بھی حضرت یوشع علیہ السلام کے مزار کی طرح غیر معمولی تھی۔

حضرت شعیب علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خُسر تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نبوت سے

پہلے مصر سے فرار ہو کر آپ ہی کے گھر میں پناہ لی تھی، اور آپ کی صاحبزادی سے نکاح کیا تھا جس کا مفصل واقعہ قرآن کریم نے سورۃ القصص میں بیان فرمایا ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام جس قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے، اُسے قرآن کریم میں کہیں "مدین" اور کہیں "اصحاب الأیکہ" کہا گیا ہے، بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ یہ دونوں الگ الگ قومیں تھیں، اور آپ پہلے مدین اور پھر اصحاب الأیکہ کی طرف مبعوث ہوئے۔ حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہی ہے، اور ان کا رجحان اس طرف ہے کہ مدین اردن کی حدود میں واقع ہے، اور ایکہ تبوک کا دُوسرا نام ہے[۱] اور بعض مفسرین کا کہنا یہ ہے کہ یہ ایک ہی قوم کے دو نام ہیں، مدین اس قوم کا نسبی نام ہے، کیونکہ مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک صاحبزادے تھے، اور یہ قوم انہی کی نسل سے تھی، اور "اصحاب الأیکہ" (بن والے) ان کا جغرافیائی نام تھا۔ یہ لوگ جس جگہ آباد تھے، وہاں نہایت گھنا جنگل تھا، اسی لئے ان کو "اصحاب الأیکہ" کہتے تھے۔ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ کا میلان اسی طرف ہے۔[۲]

حضرت شعیب علیہ السلام کی طرف اس مزار کی نسبت کس حد تک درست ہے؟ یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ یمن کے شہر حضر موت کے قریب شبام کے مقام پر بھی ایک قبر حضرت شعیب علیہ السلام سے منسوب بتائی جاتی ہے، لیکن عبدالوہاب نجار نے قصص الانبیاء میں اس نسبت کو مشتبہ قرار دیا ہے۔[۳]

قیاس کا تقاضا بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قبر یمن میں نہیں اردن یا شام کے کسی علاقے میں ہونی چاہیئے، کیونکہ مدین اور ایکہ خواہ ایک ہی جگہ کے دو نام ہوں، یا الگ الگ مقامات ہوں، بہر صورت! ان کا محلِ وقوع عرب کے شمال مغربی حصے اور اردن و فلسطین کے درمیان ہی بتایا گیا ہے۔ لہٰذا یمن کا ان علاقوں سے کوئی تعلق نہیں۔

یہاں مقامی طور پر مشہور یہ ہے کہ جس جگہ حضرت شعیب علیہ السلام کا مزار واقع ہے، یہ مدین ہی کا علاقہ ہے، بلکہ جب ہم حضرت شعیب علیہ السلام کے مزار سے باہر نکلے تو ہمیں افضل ملک صاحب نے ایک چھوٹا سا کنواں دکھایا جو منڈ کے بغیر تھا، اور اس پر ایک لوہے کا ڈھکن اس طرح ڈھکا ہوا تھا کہ وہ اوپر سے ایک گٹر معلوم ہوتا تھا، ملک صاحب نے بتایا کہ یہاں مشہور یہ ہے کہ یہ مدین کا وہی کنواں ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں "وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ" کے نام سے آیا ہے، جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام پہنچے تھے تو حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادیاں پانی بھرنا چاہ رہی تھیں، اور ہجوم کی وجہ سے بھر نہیں سکتی تھیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو پانی بھر کر دیا، اور یہیں سے حضرت شعیب علیہ السلام کے خاندان کے ساتھ ان کے تعارف کی ابتدا ہوئی۔

کیا یہ کنواں واقعی وہی کنواں ہے؟ اس کی ٹھیک ٹھیک تحقیق کا بھی کوئی راستہ نہیں، لیکن قرائن سے یہ بات کافی مشکوک معلوم ہوتی ہے، اس لئے کہ قرآن کریم کے انداز سے مترشح یہ ہوتا ہے کہ وہ کنواں حضرت شعیب علیہ السلام کی رہائش گاہ سے قابلِ ذکر فاصلے پر واقع تھا، مگر یہ کنواں حضرت

---

۱ ارض القرآن ص ۲۶۶، ج ۲۔ ۲ قصص القرآن ص ۳۴۵ ج ۱۔
۳ قصص الانبیاء، عبدالوہاب النجار۔

شعیب علیہ السلام کے مزار سے تقریباً پچیس تیس قدم سے زیادہ فاصلے پر نہیں ہے۔ ہاں اس کی یہ توجیہ ہو سکتی ہے کہ آپ کا مزار آپ کی اس رہائش گاہ میں نہ ہو جس میں آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں مقیم تھے۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

بہر کیف! ہم نیاز مندوں کیلئے یہ محتمل نسبت ہی کیا کم تھی؟ یہ پوری سرزمین انبیاء علیہم السلام کی سرزمین ہے، اور یہاں پہنچکر دیدہ و دل کو حاصل ہونے والا کیف و سرور لفظ و بیان کی حدود سے ماوراء تھا، اور دل کا تقاضا یہ کہ ع

قفا نبک من ذکری حبیب و منزل

اغوار میں:

اردن کا محل وقوع کچھ ایسا ہے کہ اس کے مغرب میں فلسطین اور بیت المقدس واقع ہیں۔ جو آجکل ہماری شامت اعمال سے اسرائیل کے قبضے میں ہیں، اور دریائے اردن کے مغربی کنارے کے پیچھے تمام تر پہاڑی علاقہ ہے، دوسری طرف مشرق میں بھی پہاڑی علاقے ہیں، ان دونوں پہاڑی علاقوں کے درمیان ایک میدانی علاقہ شمالاً جنوباً چلا گیا ہے، جو دریائے اردن کے مشرقی کنارے پر واقع ہے اور بڑا زرخیز علاقہ ہے، اس علاقے کو اغوار (نشیبی علاقہ) کہا جاتا ہے، اور یہاں متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مزارات اور تاریخی مقامات واقع ہیں۔

وادئ شعیب علیہ السلام سے نکل کر ہم اغوار کی طرف روانہ ہوئے، اور سب سے پہلے اس علاقے کے ایک چھوٹے شہر "الشونۃ الجنوبیۃ" پہنچے، یہاں سے ایک سیدھی سڑک شمال کی طرف گئی ہے جس کے دائیں طرف (مشرق میں) چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کا سلسلہ ہے، اور بائیں طرف (مغرب میں) چند کیلو میٹر تک میدانی علاقہ ہے جس میں دُور تک کھیتوں اور باغات کے سلسلے نظر آتے ہیں، ان کھیتوں اور باغات کی انتہا دریائے اردن پر ہوتی ہے، جس کے مغرب کی طرف فلسطین اور نابلس کے سربفلک پہاڑ نظر آتے رہتے ہیں جو اس وقت اسرائیل کے قبضے میں ہیں۔

ہم الشونۃ الجنوبیۃ سے ذرا آگے بڑھے تو ایک چھوٹی سی بستی کے کنارے ایک چھوٹی سی خستہ حال مسجد نظر آئی جس کے مینار پر گولیوں کے نشانات ہیں، معلوم ہوا کہ یہ وہ مقام ہے کہ ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ میں اسرائیلی فوجیں یہاں تک گھس آئی تھیں، اس علاقے کو اسرائیلی تسلط سے آزاد کرانے کیلئے اردن کی افواج نے جان کی بازی لگادی تھی، اور بالآخر بہت سے جانبازوں نے اپنی زندگی کا نذرانہ پیش کر کے اسے اسرائیل سے آزاد کرالیا، اور اسرائیلی فوجیں دریائے اردن کے اُس پار پسپا ہوگئیں۔

جمعہ کا دن تھا، اور ہم جمعہ کی نماز "مسجد ابو عبیدہؓ" میں پڑھنا چاہتے تھے جس میں حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار واقع ہے، اس لئے تیزی سے سفر کرتے ہوئے ہم تقریباً پونے بارہ بجے دوپہر "مسجد ابو عبیدہؓ" پہنچ گئے۔

(باقی سے آئندہ)

مولانا عبدالرؤف سکھروی

چار عظیم فائدے

حدیث : من قال فی کل یوم مأة مرة لا الٰہ الا اللہ الملک الحق المبین کان لہ امانا من الفقر وانسا من وحشة القبر واستجلب بھا الغنی واستقرع بھا باب الجنة ۔ (کنز العمال صفحہ ۴۲۳ ج ۱)

ترجمہ :- حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص روزانہ سو مرتبہ لا الٰہ الا اللہ الملک الحق المبین پڑھے (تو یہ کلمات) اس کے لئے فقر و فاقہ سے حفاظت کا ذریعہ، اور قبر کی وحشت و تنہائی میں انسیت کا باعث ہوں گے، اور ان کلمات (کی برکت سے پڑھنے والا) غناء (ظاہری اور باطنی) حاصل کرلیگا، اور (قیامت کے دن) ان کلمات کی برکت سے وہ جنت کے دروازہ پر دستک دیگا

تشریح :- اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لا الٰہ الا اللہ الملک الحق المبین روزانہ سو بار پڑھنے والے کو چار بڑے بڑے فائدے حاصل ہوں گے، ان میں سے ہر فائدہ ایسا ہے جس کا ہر شخص محتاج ہے، لہٰذا ہر شخص کو ہر روز اس کی ایک تسبیح پڑھ لینی چاہیئے، وہ فوائد یہ ہیں۔

۱ ——— فقر و فاقہ اور معاشی تنگی دور ہوگی ۔
۲ ——— قبر کی وحشت دور ہوکر راحت و انسیت حاصل ہوگی ۔
۳ ——— غناء ظاہری اور باطنی نصیب ہوگی ۔
۴ ——— جنت کے دروازہ پر دستک دینے اور جنت میں داخل ہونے کی سعادت ملے گی ۔

مولانا صبار دانش صاحب

اکابرین کی اپنی اولاد کو نصائح

(دوسری قسط)

حضرت آدم علیہ السلام کی وصیت:

حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت شیث علیہ السلام کو وصیت کی تھی کہ میری میت کو اس طوفان سے محفوظ رکھا جائے، جسے وہ پائیں گے، اور قابیل کی اولاد سے الگ تھلگ رہنا۔ [1]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وصایا:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے غابہ کی ۲۰ وسق کھجوریں مجھے ہبہ کردی تھیں، جب مرض کا غلبہ ہونے لگا، تو ارشاد فرمایا: بیٹی! میں تمہیں ہر حال میں خوش دیکھنا چاہتا ہوں، تمہارے افلاس سے مجھے دُکھ ہوتا ہے اور تمہاری خوشحالی سے مجھے راحت ملتی ہے، غابہ کی جو کھجوریں میں نے ہبہ کی تھیں اگر تم نے ان پر قبضہ کرلیا ہو تو خیر ورنہ میری موت کے بعد وہ کھجوریں میرا ترکہ ہوں گی، تمہارے دوسرے دو بہن بھائی ہیں، ان کھجوروں کو از روئے قرآن ان سب میں تقسیم کردینا۔

حضرت صدیقہؓ نے فرمایا: اے بزرگ باپ! میں حکم والا کی تعمیل کروں گی، اگر اس سے بہت زیادہ مال بھی ہوتا تو میں آپ کے ارشاد پر اسے چھوڑ دیتی۔ [2]

آپ نے انتقال سے کچھ قبل فرمایا، میری یہ دو استعمالی چادریں محفوظ رکھنا، جب میں مرجاؤں، تو

---

[1] طبقات ناصری ج ۱ ص ۳۸ ، [2] انسانیت موت کے دروازے پر ، ص ۱۲ ،

ان دونوں کو دھو ڈالنا، اور مجھے ان کا ہی کفن دینا،[1] کیونکہ نئے کپڑے کا زندہ آدمی بہ نسبت مُردے کے زیادہ حاجتمند ہے، اور فرمایا میری زوجہ اسماءؓ مرنے کے بعد غسل دیں،[2] نیز وفات کے وصیت فرمائی کہ میرا فلاں باغ بیچکر بیت المال کا قرض (جو چھ ہزار درہم ہے) ادا کر دیا جائے، اور اس کے بعد جو کچھ بچ رہے وہ حضرت عمر بن الخطابؓ کے پاس بھجوا دیا جائے۔[3]

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وصایا:

آخری گھڑیوں میں اپنے صاحبزادے عبد اللہؓ کو طلب فرمایا وہ حاضر ہو گئے، تو صاحبزادے سے قرض کے بارے میں دریافت کیا جو ۸۶ ہزار درہم نکلے، فرمایا: اے عبد اللہ! آل عمرؓ کے مال سے ادا کرنا، اگر پورا نہ ہو سکے تو عدی بن کعب سے مانگنا، اگر وہ بھی کافی نہ ہو تو قریش سے مانگنا اور کسی سے نہ مانگنا۔

پھر فرمایا کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عرض کر دکہ عمرؓ چاہتا ہے اپنے دونوں صاحبوں کے پاس دفن ہونا، حضرت عائشہ صدیقہ نے یہ کہکر اجازت دیدی، کہ عمرؓ کو اپنے پر ترجیح دیتی ہوں، حضرت عمرؓ نے فرمایا جنازہ تیار ہونے کے بعد دوبارہ اجازت مانگنا، اگر میرے لحاظ میں اجازت دی ہو، اور اس وقت نہ دیں تو مسلمانوں کے عام قبرستان میں دفن کرنا۔

اور صاحبزادے حضرت عبد اللہؓ کو یہ وصیت فرمائی کہ پیارے بیٹے! ایمان کی خصلتوں کو لازم پکڑنا، وہ یہ ہیں: گرمی کی شدت میں روزے رکھنا، تلوار سے جہاد کرنا، مصیبت پر صبر کرنا، سردیوں میں اچھی طرح وضو کرنا، ابر کے دن نماز میں جلدی کرنا۔[4]

انتقال سے تھوڑا پہلے اپنے بیٹے عبد اللہؓ سے ارشاد فرمایا: میرے کفن میں بیجا صرف نہ کرنا، اگر میں اللہ کے ہاں بہتر ہوں تو مجھے از خود بہتر لباس مل جائیگا، اگر بہتر نہیں ہوں تو بہتر کفن بے فائدہ ہے، پھر فرمایا کہ میرے لئے لمبی چوڑی قبر نہ کھدوائی جائے، اگر میں اللہ تعالیٰ کے ہاں مستحق رحمت ہوں تو از خود میری قبر حد نگاہ تک وسیع ہو جائے گی، اگر مستحق رحمت نہیں ہوں تو قبر کی وسعت میرے عذاب کی تنگی دور نہیں کر سکتی۔

پھر فرمایا: میرے جنازہ کے ساتھ کوئی عورت نہ چلے، مجھے مصنوعی صفات سے یاد نہ کیا جائے اگر میں مستحق رحمت ہوں تو مجھے رحمت ایزدی تک پہنچانے میں جلدی کرنی چاہیے،

---

[1] دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے حضرت عائشہؓ سے دریافت فرمایا: کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنے کپڑوں کا کفن دیا گیا تھا؟ عرض کیا: تین کپڑوں کا، ارشاد فرمایا: میرے کفن میں بھی تین کپڑے ہوں، دو یہ چادریں جو میرے بدن پر ہیں دھولی جائیں، ایک کپڑا اور بنا لیا جائے، (از: انسانیت موت کے دروازے پر، ص ۱۳) [2] وصایا، ص ۱۹، [3] مسلم شخصیات کا انسائیکلوپیڈیا قسط ۱۴، ص ۳، [4] انسانیت موت کے دروازے پر، ص ۱۶، وصایا ص ۳۰۔

اگر مستحق عذاب ہوں تو ایک بُرے آدمی کا بوجھ جس قدر جلد سے جلد کندھوں سے اتار پھینکا جائے بہتر ہے۔

ان دردانگیز وصایا کے تھوڑی دیر بعد فرشتۂ اجل سامنے آگیا اور آپ جاں بحق تسلیم ہوگئے۔[1]

۲۔ ایک موقع پر اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی: اذا حدثك شيئا سعد عن النبی صلی اللہ علیه وسلم فلا تسأل عنه غیرہ۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۶۲)

یعنی جب حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیرے سامنے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث بیان کریں تو اس کے بارے میں کسی اور سے پوچھنے کی کوئی حاجت نہیں۔[2]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی وصایا:

حضرت کرم اللہ وجہہ اپنے دونوں جگر گوشوں (یعنی حضرت حسنؓ و حسینؓ) کو اپنے آخری لمحات میں نصیحت فرماتے ہیں:

میں تم دونوں کو تقویٰ الٰہی کی وصیت کرتا ہوں اور اس کی کہ دنیا کا پیچھا نہ کرنا، اگرچہ وہ تمہارا پیچھا کرے جو چیز تم سے دور ہوجائے اس پر نہ کڑھنا، ہمیشہ حق کہنا، یتیم پر رحم کھانا، بیکس کی مدد کرنا، آخرت کیلئے عمل کرنا، ظالم کے دشمن بننا، مظلوم کے حامی بننا، کتاب اللہ پر چلنا، خدا کے باب میں ملامت کرنے والوں کی ملامت کی پرواہ نہ کرنا۔

پھر آپ نے تیسرے صاحبزادہ محمد بن الحنیفہ کی طرف دیکھا، جو نصیحت میں نے تیرے بھائیوں کو کی، تو نے حفظ کرلی، انہوں نے عرض کیا، جی ہاں، فرمایا: میں تجھے بھی یہی وصیت کرتا ہوں، نیز وصیت کرتا ہوں کہ اپنے دونوں بھائیوں کے عظیم حق کا خیال رکھنا، ان کی اطاعت کرنا، بغیر ان کی رائے کے کوئی کام نہ کرنا۔

پھر امام حسنؓ و حسینؓ سے فرمایا، میں تمہیں اس کے بارے میں وصیت کرتا ہوں، کیونکہ یہ تمہارا بھائی ہے، تمہارے باپ کا بیٹا ہے، اور تم جانتے ہو کہ تمہارا باپ اس سے محبت کرتا ہے۔

پھر امام حسنؓ سے فرمایا: فرزند! میں تمہیں وصیت کرتا ہوں، خوفِ خدا کی، اپنے اوقات میں نماز قائم کرنے کی، میعاد پر زکوٰۃ ادا کرنے کی، ٹھیک وضو کرنے کی، کیونکہ نماز بغیر طہارت کے ممکن نہیں، اور مانع زکوٰۃ کی نماز قبول نہیں، نیز وصیت کرتا ہوں خطائیں معاف کرنے کی، دین میں عقل و دانش کی، ہر معاملہ میں تحقیق کی، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی، فواحش سے اجتناب کی۔

پھر اپنی تمام اولاد کو مخاطب کرکے کہا، خدا سے ڈرتے رہو، اس کی اطاعت کرو، جو تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے اس کا غم نہ کرو، اس کی عبادت پر کمربستہ رہو، چست و چالاک بنو، سست نہ بنو،

---

[1] انسانیت موت کے دروازے پر، ص ۱۷، وصایا ص ۳۰۔

[2] ماہنامہ "الرشید" ساہیوال، ص ۱۹، جمادی الاخریٰ ۱۴۰۲ھ۔

ذلت قبول نہ کرو، خدایا ہم سب کو ہدایت پر جمع کردے، ہمیں اور انہیں دنیا سے بے رغبت کردے، ہمارے اور ان کے لئے آخرت اول سے بہتر کردے۔

(نیز) وفات کے وقت یہ وصیت لکھوائی، یہ علی ابن ابی طالبؓ کی وصیت ہے وہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں، میری نماز میری عبادت، میرا جینا، میرا مرنا، سب کچھ اللہ رب العالمین کے لئے ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے، اور میں سب سے پہلا فرمانبردار ہوں۔

پھر اے حسن! میں تجھے اور اپنی تمام اولاد کو وصیت کرتا ہوں، کہ خدا کا خوف کرنا، اور جب مرنا تو اسلام ہی پر مرنا، سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط سے پکڑ لو، اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو، کیونکہ میں نے ابوالقاسم (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو فرماتے سنا ہے، کہ آپس کا ملاپ قائم رکھنا، روزے نماز سے بھی افضل ہیں، اپنے رشتہ داروں کا خیال رکھو، ان سے بھلائی کرو خدا تم پر حساب آسان کردیگا اور ہاں یتیم، یتیم! یتیموں کا خیال رکھو، ان کے منہ میں خاک مت ڈالو، وہ تمہاری موجودگی میں ضائع نہ ہونے پائیں، اور دیکھو تمہارے پڑوسی! اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھو، کیونکہ یہ تمہارے نبیؐ کی وصیت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برابر پڑوسیوں کے حق میں وصیت کرتے رہے، یہاں تک کہ ہم سمجھے شاید انہیں ورثہ میں شریک کردیں گے، اور دیکھو قرآن! قرآن! ایسا نہ ہو، قرآن پر عمل کرنے سے کوئی تم پر بازی لے جائے، اور نماز! نماز کیونکہ وہ تمہارے دین کا ستون ہے اور تمہارے رب کا گھر! اپنے رب کے گھر سے غافل نہ ہونا، اور جہاد فی سبیل اللہ! جہاد فی سبیل اللہ! اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال سے جہاد کرتے رہو، زکوٰۃ! زکوٰۃ! زکوٰۃ پروردگار کا غصہ ٹھنڈا کردیتی ہے۔

اور ہاں تمہارے نبیؐ کے ذمی! تمہارے نبیؐ کے ذمی! (یعنی وہ غیر مسلم جو تمہارے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں) ایسا نہ ہو ان پر تمہارے سامنے ظلم کیا جائے، اور تمہارے نبیؐ کے صحابیؓ! تمہارے نبیؐ کے صحابی! یاد رکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابیوں کے حق میں وصیت کی ہے، اور فقراء و مساکین! فقراء و مساکین! انہیں اپنی روزی میں شریک کرو، اور تمہارے غلام! تمہارے غلام! غلاموں کا خیال رکھنا، خدا کے باب میں اگر کسی کی بھی پرواہ نہ کروگے تو خدا تمہارے دشمنوں سے تمہیں محفوظ کردیگا۔

خدا کے تمام بندوں پر شفقت کرو، میٹھی بات کرو، ایسا ہی خدا نے حکم دیا ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ چھوڑنا ورنہ تمہارے اشرار تم پر مسلط کردیئے جائیں گے، پھر تم دعائیں کروگے مگر قبول نہ ہوں گی، باہم ملے جلے رہو، بے تکلف اور سادگی پسند رہو، خبردار ایکدوسرے سے نہ کٹنا، اور نہ آپس میں پھوٹ ڈالنا، نیکی اور تقویٰ پر باہم مددگار رہو، مگر گناہ اور زیادتی میں کسی کی مدد نہ کرو، خدا سے ڈرو، کیونکہ اس کا عذاب بڑا ہی سخت ہے۔ اے اہل بیت! خدا تمہیں محفوظ رکھے اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر قائم رکھے، میں تمہیں خدا ہی کے سپرد کرتا ہوں، تمہارے لئے سلامتی اور برکت چاہتا ہوں۔

اس کے بعد لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہا اور ہمیشہ کیلئے آنکھیں بند کرلیں۔ (طبری ج ۶ ص ۸۶)[1]

ایک مرتبہ حضرات حسنینؑ سے فرمایا: تم دونوں کو میری وصیت ہے، اللہ سے ڈرنے کی، دنیا کے پیچھے نہ پڑنے کی، اس کی محرومی پر نہ کڑھنے کی، حق بات کہنے کی، ظالم کی مخالفت کی، مظلوم کی حمایت کی، قرآن کی تلاوت کی، لوگوں کی خطائیں معاف کرنے کی، پڑوسی سے حسن سلوک کی، فواحش سے اجتناب کی، محمد بن الحنفیہ کیلئے فرمایا اس کو اپنا، اپنے باپ کا بیٹا سمجھنا اور ان سے فرمایا کہ اپنے دونوں بھائیوں کی اطاعت کرنا، ان باتوں کو یاد رکھنا۔[2]

نیز آپ نے اپنے بیٹے حسنؑ کو نصیحت فرمائی: اے میرے بیٹے! تم میری آٹھ باتیں یاد رکھنا، تم ان پر عمل کرتے رہو گے تو انشاء اللہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، اصل مالداری عقل کی مالداری ہے، اور اصل تنگدستی حماقت ہے، اور سب سے زیادہ خوف خود پسندی کا ہے، اور بہترین حسب و نسب حسنِ اخلاق ہے۔

اور پیارے بیٹے بخیل کی دوستی سے بچتے رہنا، اس لئے کہ وہ تجھ سے تیری ضرورت کے لوگوں کو دور کردے گا، اور فاجر و فاسق کی دوستی سے بھی بچتے رہنا، اس لئے کہ وہ تم کو اونے پونے داموں میں بیچ دیگا، نیز جھوٹے شخص کی دوستی سے بھی بچتے رہنا، اس لئے کہ وہ سراب مثل کے مانند ہے، تم سے دور کو قریب کردیگا اور قریب کو دور کردیگا۔[3]

اپنے بیٹے حسنؑ کو مزید وصیت کرتے ہوئے فرمایا: اے میرے پیارے بیٹے! میں تم کو وصیت کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی، اور کلمۂ حق کی خوشی اور غصہ میں، اے میرے بیٹے جس نے اپنے بھائی کیلئے کنواں کھودا، وہ خود اس میں گریگا، اور جس نے خود رائی اختیار کی، اس نے لغزش کی، اور جو اپنی عقل کی وجہ سے مستغنی ہوگیا اس نے خطا کی، اور جس نے رذیل لوگوں کی صحبت اختیار کی اس کی تحقیر کی گئی، اور جو علماء میں بیٹھا معزز ہوگیا، اور قناعت لافانی مال ہے، اور ادب بہترین میراث ہے اور اچھی عادت بہترین ساتھی ہے۔[4]

امام حسنؑ فرماتے ہیں کہ جب میرے والد بزرگوار کی رحلت کا زمانہ قریب آیا، تو میں بہت پریشان ہوا، آپ نے فرمایا: کیوں حسن! تم کیوں گھبراتے ہو، میں نے عرض کیا: حضور میں آپ کو اس حالت میں دیکھتا ہوں، تو پھر کیوں نہ میری یہ حالت ہو، والد بزرگوار نے مزید فرمایا، بیٹا میری چار باتیں ہمیشہ یاد رکھنا، اگر تم ان کو یاد رکھو گے تو ان کے ذریعہ ہر مصیبت سے نجات ملتی رہیگی۔

۱۔ عقل سے بہتر کوئی تونگری نہیں۔ ۲۔ جہالت جیسی کوئی فقیری نہیں۔ ۳۔ خود پسندی سے زیادہ سخت کوئی وحشت نہیں۔ ۴۔ حسن خلق سے زیادہ مزے کی کوئی چیز نہیں، اور یاد رکھو کہ قناعت اور رضا مروت سے بڑھے ہوئے ہیں اور احسان کا تمام کرنا اس کے شروع کرنے سے بہتر ہے۔[5]

---

[1] انسانیت موت کے دروازے پر، ص ۲۶، [2] وصایا ص ۲۲،
[3] مختارات الادب زیدان بدران مصری ص ۱۰، [4] حوالا بالا ص ۶،
[5] نور الابصار ص ۱۳۲، مسلم شخصیات کا انسائیکلوپیڈیا قسط ۱۱ ص ۳۸،

حضرت عمرو ابن العاصؓ کی وصیت:

فاتح مصر حضرت عمرو بن العاصؓ نے وفات کے وقت اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: جب میں دُنیا سے رُخصت ہوجاؤں تو میرے ساتھ کسی نوحہ کرنے والی کو مت کرنا اور نہ آگ کو، اور جب تم دفن کردو تو مجھ پر تھوڑی تھوڑی مٹی ڈالنا، اس کے بعد میری قبر کے ارد گرد اُس وقت تک کھڑے رہنا کہ جتنی دیر میں اونٹ ذبح کرکے اس کا گوشت تقسیم کیا جاسکتا ہو، تاکہ میں تمہارے ساتھ مانوس ہوکر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہوئے فرشتوں کو جواب دے سکوں۔ [۱]

اسی موت وزیست کی حالت میں، انہوں نے ایک صندوق کی طرف اشارہ کرکے اپنے بیٹے عبداللہ سے کہا، اسے لے لو، آپ کے بیٹے کا زہد مشہور ہے، انہوں نے کہا، مجھے اس کی ضرورت نہیں، عمروؓ نے کہا، اس میں دولت ہے، عبداللہ نے پھر انکار کیا، اس پر ہاتھ مَل کر کہنے لگے، کاش! اس میں سونے کے بجائے بکری کی مینگنیاں ہوتیں۔ [۲]

حضرت امیر معاویہؓ ابن ابی سفیانؓ کی وصایا:

امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک موقع پر اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی کہ جو شخص عفو کا خوگر ہوتا ہے، سردار بن جاتا ہے، اور جو بردباری کرتا ہے، اس کی عظمت بڑھ جاتی ہے اور جو درگذر کرتا ہے، لوگ اس کی طرف جُھک جاتے ہیں تم کو کبھی ایسی مشکلات میں مبتلا ہونے کی نوبت آئے تو اس کی تدبیر یہی ہے۔ [۳]

آپ نے اپنے آخری ایام میں اپنی لڑکیوں کو جوان کی تیمارداری کیا کرتی تھیں، ایک مرتبہ انہیں بغور دیکھ کر کہا، تم ایک ڈانواں ڈول وجود کو کروٹیں بدلوا رہی ہو، اس نے دُنیا بھر کے خزانے جمع کئے، لیکن کاش وُہ دوزخ میں نہ ڈالا جائے۔ پھر یہ شعر پڑھا:

لقد سعيتُ لکم من سعی ذی تعب
وقد کفیتکُمُ التطواف والرحلا

یعنی میں نے تمہارے لئے سخت محنت سے کوشش کی اور دربدر ٹھوکریں کھانے سے بے پرواہ کردیا۔

اسی طرح ایک مرتبہ وفات سے قبل اپنے عزیزوں کو دیکھ کر کہا: اللہ عزوجل سے ڈرتے رہنا، کیونکہ جو ڈرتا ہے خدا اس کی حفاظت کرتا ہے، اس شخص کے لئے کوئی پناہ نہیں، جو خدا سے بے خوف ہے۔ [۴]

آخری لمحات میں آپ نے یزید سے مخاطب ہوکر کہا: اے فرزند! مجھے جس بات پر خدا سے سب

---

[۱] مسلم شریف، مشکوٰۃ ص ۱۴۹، باب دفن المیت، [۲] انسانیت موت کے دروازے پر ص ۴۲،
[۳] اسلام میں مشورہ کی اہمیت، ص ۱۷، [۴] اکابر اسلام کے آخری لمحات ص ۲۳ ص ۲۴، مولانا ابوالکلام آزاد، مطبوعہ شمیم بکڈپو، لاہور۔

سے زیادہ خوف ہے وہ تجھ سے میرا برتاؤ ہے، جانِ پدر! ایک مرتبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھا، جب آپؐ ضروریات سے فارغ ہوتے یا وضو کرتے تو میں دستِ مبارک پر پانی ڈالتا، آپؐ نے میرا کرتہ دیکھا وہ مونڈھے سے پھٹ گیا تھا، فرمایا: معاویہ! تجھے کرتہ پہنادوں؟

میں نے عرض کیا، میں آپ پر قربان، ضرور ضرور، چنانچہ آپؐ نے کرتہ عنایت کیا، مگر میں نے ایک مرتبہ سے زیادہ نہیں پہنا، وہ میرے پاس اب تک موجود ہے۔

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بال ترشوائے، میں نے تھوڑے سے بال اور کٹے ہوئے ناخن اٹھالیے تھے وہ بھی آج تک میرے پاس شیشی میں رکھے ہوئے ہیں، دیکھو جب میں مرجاؤں تو غسل کے بعد یہ بال اور ناخن میری آنکھوں کے حلقوں اور نتھنوں میں رکھ دینا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کرتہ بچھاکر اس پر لٹانا اور کفن پہنانا، اگر مجھے کسی چیز سے نفع پہنچ سکتا ہے تو وہ یہی ہے۔

عین وفات کے وقت یہ شعر پڑھے: ؎

یا لیتنی لم اعن فی الملک ساعۃ
ولم اک فی اللذات اعشی النواظر
کاش میں نے کبھی سلطنت نہ کی ہوتی،
کاش لذتیں حاصل کرنے میں اندھا نہ ہوتا۔

دوسرے شعر کا ترجمہ ہے: کاش میں اس فقیر کی طرح ہوتا جو تھوڑے پر زندہ رہتا ہے۔ [۱]

بیماری کے دوران آپ نے وصیت کی تھی کہ میرا نصف مال بیت المال کو دیدیا جائے' بیماری میں امیر معاویہؓ کی آنکھیں اوپر چڑھی ہوئی تھیں' مرض کی شدت بڑھ گئی تو ان کی صاحبزادی رملہ نے ان کا سر اپنی گود میں رکھ لیا اور بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگیں، کہ کسی طرح سے ان کو نیند آجائے تو امیر معاویہؓ فرمانے لگے،

اے بیٹی! جس کے بال تم سہلا رہی ہو وہ امور دنیوی میں الٹ پلٹ کرنے کا مشاق تھا، اس نے جوانی سے پیری تک کے زمانے میں زر و مال اکٹھا کیا، اے کاش کہ وہ آگ میں نہ جھونکا جائے' میں نے تم لوگوں کے لئے ایک رنج کش آدمی کی طرح کوشش کی ہے اور تم کو جگہ جگہ مارے مارے پھرنے سے بچالیا ہے۔ [۲]

حضرت امیر معاویہؓ نے رحلت سے قبل اپنے بیٹے یزید کو درج ذیل وصیت بھی فرمائی، جان پدر! میں نے تمہاری راہ کے تمام کانٹے ہٹا کر تمہارے لئے راستہ صاف کردیا ہے اور دشمنوں کو زیر کرکے سارے عربوں کی گردنیں جھکادی ہیں اور تمہارے لئے اتنا مال جمع کردیا ہے کہ اس سے پہلے کسی نے جمع نہ کیا ہوگا۔

اب میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اہلِ حجاز کا ہمیشہ خیال رکھنا کہ وہ تمہاری اصل و بنیاد ہیں اسلئے جو حجازی تمہارے پاس آئے اس سے حسن سلوک سے پیش آنا، اور اسکی پوری عزت کرنا، اور احسان کرنا اور جو نہ آئے اس کی خبر گیری کرتے رہنا۔

---

[۱] مسلم شخصیات کا انسائیکلو پیڈیا، قسط ۱۴ ص ۲۱ ۔ [۲] انسانیت موت کے دروازے پر ص ۴۵

عراق والوں کی ہر خواہش پوری کرنا، حتیٰ کہ اگر وہ روزانہ عاملوں کی تبدیلی کا مطالبہ کریں تو بھی اس کو پورا کرنا، کیونکہ عاملوں کا تبادلہ تلوار کے بے نیام ہونے سے زیادہ بہتر ہے، شامیوں کو اپنا مشیر خاص بنانا اور ان کا خیال ہر حال میں مدِ نظر رکھنا، اور جب تمہارا کوئی دشمن تمہارے میں کھڑا ہو تو ان سے مدد لینا لیکن کامیابی کے بعد انہیں فوراً واپس بلالینا، کیونکہ اگر یہ لوگ وہاں زیادہ مقیم رہیں گے، تو ان کے اخلاق بدل جائیں گے۔

سب سے اہم معاملہ خلافت کا ہے اس میں حسینؓ بن علیؓ، عبداللہؓ ابن عمرؓ، عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکرؓ اور عبداللہؓ ابن زبیرؓ کے علاوہ اور کوئی تمہارا حریف نہیں ہے، عبداللہؓ ابن عمرؓ سے کوئی خطرہ نہیں، انہیں زہد و عبادت کے علاوہ اور کسی چیز سے واسطہ نہیں ہے، اس لئے عامۃ المسلمین کی بیعت کے بعد ان کو بھی کوئی عذر نہ ہوگا، عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکرؓ میں کوئی ذاتی ہمت اور حوصلہ نہیں ہے، جو ان کے ساتھی کریں گے اس کے بعد وہ بھی پیرو ہو جائیں گے۔

البتہ حسینؓ کی جانب سے خطرہ ہے ان کو عراق والے تمہارے مقابلہ میں لے آئیں اور تم کو ان پر قابو حاصل ہو جائے، تو درگذر سے کام لینا، کیونکہ وہ قرابت دار اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز ہیں۔

البتہ جو شخص لومڑی کا داؤ دیکر شیر کی طرح حملہ آور ہوگا وہ عبداللہؓ بن زبیرؓ ہے اس لئے اگر وہ صلح کریں تو صلح کرلینا، ورنہ موقع اور قابو پانے کے بعد ان کو ہرگز نہ چھوڑنا اور ان کے ٹکڑے کر ڈالنا۔

(طبری ج ۷، ص ۱۹۶ - ۱۹۷ ، الفخری ص ۱۰۲) [1]

مذکورہ وصیت کے بعد اہل خاندان کو وصیت کی، خدا کا خوف کرتے رہنا، کیونکہ خدا خوف کرنے والوں کو مصائب سے بچاتا ہے، جو خدا سے نہیں ڈرتا اس کا کوئی مددگار نہیں، پھر اپنا نصف مال بیت المال میں جمع کرنے کا حکم دیا۔ (طبری ج ۷، ص ۲۰۲) [2]

عمرؒ ابن عبدالعزیزؒ کی وصیت:

امیر المؤمنین عمر ابن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ جنہیں عمر ثانی کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے آپ کی حیات پاک اس قوم کیلئے جسے اللہ تعالیٰ حکمران ہونے کا اعزاز و شرف بخشے نمونہ ہے، آپ نے موت و زیست کی کش مکش میں بغرض نصیحت ارشاد فرمایا:

مجھے ٹیک لگا کر بٹھا دو، آپ کو بٹھا دیا گیا تو ارشاد فرمایا: خدا کی قسم! میں نے اپنی اولاد کا کوئی حق تلف نہیں کیا، البتہ وہ جو دوسروں کا حق تھا وہ نہیں دیا، میرا اور ان کا وارث صرف خدا ہے، میں ان سب کو اسی کے سپرد کرتا ہوں، اگر یہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں گے تو وہ ان کے لئے کوئی سبیل نکالے گا مگر یہ گناہوں میں مبتلا ہوں گے، تو میں انہیں مال و دولت دیکر ان کے گناہوں کو قوی نہیں بناؤں گا۔

---

[1] مسلم شخصیات کا انسائیکلوپیڈیا، قسط ۱۳، ص ۲۲ ، [2] ایضاً

پھر آپ نے اپنے بیٹوں کو پاس بلایا اور فرمایا: اے میرے عزیز بچو! دو باتوں میں سے ایک بات تمہارے باپ کے اختیار میں تھی، ایک یہ کہ تم دولتمند ہو جاؤ اور تمہارا باپ دوزخ میں جائے، دوم یہ کہ تم محتاج رہو اور تمہارا باپ جنت میں داخل ہو، میں نے آخری بات پسند کر لی ہے، اب میں تمہیں صرف خدا ہی کے حوالے کرتا ہوں۔

اور فرمایا: جب مجھے دفن کرو تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناخن اور موئے مبارک میرے کفن کے اندر رکھ دینا، اسی وقت پیغام ربانی آگیا اور زبان مبارک پر یہ آیت قرآن جاری ہوگئیں:
تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ (الی قولہ) وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ [۱]

حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کی وصیت:

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نصیحت کی، فرزند! تین ارادے سے علم نہ حاصل کرنا، ریا کے ارادے سے، بحث مباحثے کے ارادے سے، فخر و مباہات کے ارادے سے، اور تین ارادوں سے علم کو ترک نہ کرنا، جہل کی محبت سے، علم کی ناقدری سے، طلب علم میں شرم سے۔ [۲]

حضرت عباسؓ نے یہ بھی وصیت کی تھی کہ مجھے حیرہ کی چادروں میں کفن دیا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حیرہ کی چادروں کا کفن دیا گیا تھا۔ [۳]

حضرت حسینؓ کی وصیت:

حضرت حسینؓ نے اپنے صاحبزادے کو نصیحت کی، فرزند! علماء کی صحبت میں خود بولنے سے زیادہ سیکھنے کی کوشش کرنا، حسن سکوت کی طرح حسن سماعت بھی رکھنا، کسی کی بات کبھی نہ کاٹنا چاہے وہ کتنی دیر بولتا رہے۔ [۴]

حضرت عروہؓ ابن الزبیرؓ کی وصایا:

حضرت عروہ ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے لڑکوں سے فرمایا کرتے تھے، آؤ مجھ سے علم حاصل کرو، کیونکہ عنقریب تم قوم میں بڑے آدمی ہوگے، میں بھی پہلے چھوٹا تھا، اور کوئی پروا نہیں کرتا تھا، لیکن جب جوان ہوا تو لوگ دوڑ دوڑ کر آنے اور فتویٰ لینے لگے، اس سے بڑھ کر عیب اور کیا ہو سکتا ہے کہ آدمی سے اس کے دین کی کوئی بات پوچھی جائے، اور وہ جاہل نکلے۔ [۵]

---

[۱] انسانیت موت کے دروازے پر، ص ۵۴، [۲] العلم والعلماء،
[۳] مسلم شخصیات کا انسائیکلو پیڈیا قسط ۵ ص ۴۰۔ [۴] العلم والعلماء،
[۵] حوالہ بالا ص ۲۷،

ایک مرتبہ حضرت عروہ ابن الزبیرؓ نے اپنے بیٹے ہشامؒ سے کہا، جب کسی سے ایسی بات کہو گے جو اس کی عقل سے بالاتر ہے، تو اس کیلئے گمراہی کا سبب بن جائیگی۔

ہشام بن عروہؒ کہتے ہیں کہ میرے والد عروہ ابن الزبیرؓ نے مجھ کو اور میرے بھائیوں عبداللہ، عثمان اور اسمٰعیل کو بلا کر بلا کر فرمایا: لوگوں کی بھیڑ کے ساتھ میرے حلقے میں نہ آیا کرو، تنہائی میں مجھ سے پوچھا کرو، اسکے بعد مسائل بیان کرنا شروع کئے، پھر چپ ہوگئے، اور دیر کے بعد کہنے لگے 'اچھا جو کچھ سنا ہے مجھے سناؤ' میری یادداشت اچھی نکلی تو بہت خوش ہوئے۔ [1]

حضرت حسنؓ کی وصیت:

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے لڑکوں اور بھتیجوں کو نصیحت کی، علم حاصل کرو، کیونکہ گو آج تم قوم کے چھوٹے ہو، مگر کل تم ہی قوم کے بڑے بننے والے ہو، جس نے یاد نہ کیا ہو، لکھ کر یاد کرلے۔ [2]

حضرت علقمہؒ کی وصیت:

حضرت علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بوقتِ وفات جو نصیحت فرزند کو کی تھی قابلِ غور ہے! جانِ پدر! اگر تمہیں دوستی کی ضرورت ہو تو ایسے شخص کی دوستی اختیار کرو کہ اگر اس کی خدمت کرو، تو تمہیں برائیوں سے محفوظ رکھے، اس کی صحبت بھلائیوں سے آراستہ کردے، ضرورت پیش آئے تو اسے پورا کردے، ایسے دوست بناؤ کہ اگر تم بھلائی کا ہاتھ بڑھاؤ تو وہ بھی بڑھائے، تمہاری خوبیوں کو روشن کردے، اور برائیوں کو مٹادے، اگر تم کچھ مانگو تو عطا کردے، نہ مانگو تو بڑھ کر خود مدد کرے، آفت آئے تو رفیق ثابت ہو اور تمہیں اپنے اوپر ترجیح دے۔ [3]

حضرت عبداللہ ابن الحسنؒ کی وصیت:

حضرت عبداللہ ابن الحسن رضی اللہ عنہ اپنے صاحبزادہ محمد بن عبداللہ کو نصیحت فرماتے ہیں کہ: جاہل اگرچہ خیرخواہ ہو، مگر اس کے مشورہ سے بچنا، جیسا کہ دانا دشمن کی عداوت سے، کیونکہ کچھ بعید نہیں کہ اپنے مشورہ سے وہ تجھ کو ہلاکی میں دھکیل دے، اور عاقل کی مکروتدبیر اور جاہل کی نادانی تجھ کو آدبائے۔ [4]

خلیفہ عبدالملکؒ بن مروان کی وصیت:

آپ نے اپنے لڑکوں کو نصیحت کی، علم حاصل کرو، کیونکہ مالدار ہوئے تو علم تمہارا جمال ہوگا، اور غریب ہوئے تو علم تمہارے لئے دولت ثابت ہوگا۔ [5]

---

[1] حوالہ بالا، [2] حوالہ بالا ص ۶۷، [3] المرشد الامین، ص ۱۰۰،
[4] اسلام میں مشورہ کی اہمیت، ص ۱۲، [5] العلم والعلماء، ص ۵۴،

حضرت عقبہ بن عامر الجہنی ردیف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت:

آپ جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو اپنے بیٹوں کو جمع کر کے فرمایا: میں تمہیں تین چیزوں سے روکتا ہوں، انہیں خوب یاد رکھو، باوثوق شخص کے سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی حدیث قبول نہ کرنا، قرض کی کوئی شئے طلب نہ کرنا، اگرچہ تم نے امامت کی عبا پہن رکھی ہو، اور نہ شعر لکھ کر ان سے لوگوں کے قلوب و اذہان کو قرآن سے غافل کرنا۔

آپ نے اپنے ترکہ میں ستر سے کچھ اوپر کمانیں چھوڑیں، اور ہر کمان کے ساتھ ترکش اور تیر تھے، ان کے متعلق آپ نے وصیت کی کہ انہیں اللہ کی راہ میں کام میں لایا جائے۔ [1]

حضرت عبداللہ ابن مغفل مزنی کی وصیت:

آپ بصرہ میں مرض الموت میں مبتلا ہوئے، دم آخر ۶۰ھ سے وصیت کی کہ غسل کے آخری پانی میں کافور ملانا، اور کفن میں دو چادریں اور ایک قمیص ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کفن ایسا ہی تھا، نہلاتے وقت صرف احباب ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی غسل دیں، جنازہ کے پیچھے آگ روشن نہ کی جائے، ابن زیاد گورنر بصرہ جنازہ کی نماز میں شریک نہ ہو۔ [2]

حضرت عمران بن حصین کی وصیت:

آپ جب زندگی سے مایوس ہو گئے تو آپ نے وصیت فرمائی کہ جنازہ جلدی لے چلنا، یہود کی طرح آہستہ آہستہ نہ چلنا، جنازہ کے پیچھے آگ نہ جلانا، نالہ و شیون نہ کرنا، قبر مربع چار بالشت اونچی رکھنا، دفن کر کے واپس ہو کر کھانا کھانا، نالہ و شیون کے روکنے میں اتنی سختی برتی کہ اپنے متروکہ مال میں بعض اعزہ کو وصیت کی تھی، اور اس وصیت میں یہ شرط لگا دی تھی کہ جو عورت نالہ و شیون کرے گی اسکے متعلق وصیت منسوخ ہو جائے گی۔ [3]

حضرت عقبہ ابن نافع کی وصیت:

آپ نے اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی: "یا بنی لا تقبلوا الحدیث من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا من ثقۃ (التمہید لابن عبد البر ج ۱ ص ۴۵) یعنی اے میرے پیارے بیٹے! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کسی معتمد آدمی سے ہی قبول کیا کرو، [4]

---

[1] ماہنامہ الرشید، ساہیوال ذیقعدہ سنہ ۱۴۰۴ھ، [2] مسلم شخصیات کا انسائیکلو پیڈیا، قسط ۱۰ ص ۴۴، [3] حوالہ بالا ص ۲۰، [4] ماہنامہ الرشید ص ۲۰ جمادی الاخریٰ سنہ ۱۴۰۲ھ،

حضرت یحییٰ ابن خالد برمکی کی وصایا:

آپ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ ہر علم میں سے ایک اچھا حصہ حاصل کرو، کیونکہ آدمی جس علم سے جاہل ہوتا ہے، اس سے بغض رکھتا ہے اور مجھے منظور نہیں کہ تم کسی علم سے بغض رکھو۔

نیز آپ نے اپنے لڑکے جعفر کو نصیحت کی کہ بے سمجھے جواب نہ دو، خوب سمجھ کر بولا کرو، کیونکہ بے سمجھے جواب دینا حماقت ہے۔ [1]

حضرت قیس بن عاصم کی وصیت:

حکیم بن قیس بن عاصم سے مروی ہے کہ ان کے والد نے کہا: فرزند مال جمع کر، کیونکہ مال شریفوں کو بلند کرتا ہے اور کمینوں سے مستغنی کر دیتا ہے۔ [2]

حضرت خطاب بن معلی مخزومی کی وصیت:

آپ نے اپنے بیٹے کو یہ نصیحت کی تھی (جس کو ابن حبان صاحب صحیح نے اپنی کتاب روضۃ العقلاء میں نقل کیا ہے) کہ "تشبہ باھل العقل تکن منھم وتصنع للشرف تدرکہ" یعنی داناؤں کی مشابہت اختیار کر تو انہی میں ہو جائے گا، اور بناوٹ سے بھی اگر شرف کی طرف جھکے گا تو شرف حاصل کر لے گا۔ [3]

خلیفہ منصور عباسی کی وصیت:

آپ نے اپنے لڑکے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: کہ دو باتیں مجھ سے حاصل کر لے:۔
(۱) بغیر سوچے زبان سے کچھ مت نکال، (۲) بغیر تدبیر کے کام نہ کر۔ [4]

حضرت مسعر کی نصیحت:

حضرت مسعر نے اپنے بیٹے کدام کو نصیحت کی:

انی منحتک یا کدام نصیحتی   فاسمع لقول اب علیک شفیق

کدام! میری نصیحت تیرے سامنے ہے اپنے باپ کی بات پر کان دھر،

اما المزاحۃ والمراء فدعھما   خلقان لا ارضاھما لصدیق

---

[1] از العلم والعلماء، [2] ایضاً، [3] التشبہ فی الاسلام، قاری محمد طیب صاحب، ص ۱۰۱، مطبوعہ ادارہ عثمانیہ پرانی انارکلی لاہور جنوری سنہ ۱۹۶۳ء، [4] اسلام میں مشورہ کی اہمیت، ص ۵۲،

تمسخر اور بحث سے باز رہ، یہ خصلتیں میں کسی دوست کیلئے بھی پسند نہیں کرتا۔

انی بلوتهما فلم احمدهما لمجاورجار اولا لرفيق

دونوں کو خوب آزما چکا ہوں، نہ ہمسائے کیلئے پسندیدہ ہیں نہ ساتھی کیلئے، [1]

ابنِ ھبیرہؒ کی وصیت:

ابن ہبیرہ نے اپنی اولاد کو نصیحت کرتے ہوئے کہا:

لا تکن اول مشیر وایاك والرای الفطیر، ولا تشر علی مستبد فان التماس موافقته لوم، والاستماع منه خیانة، [2]

یعنی سب سے پہلا مشیر نہ بن، اور سب سے پہلے رائے دینے سے بھی گریز کر، اور خود رائے کو مشورہ نہ دے، کیونکہ اس سے موافقت کی خواہش کرنا ونارۃ میں داخل ہے اور اس کی بات سننا خیانت ہے۔

بعض حکماء کی وصیت:

بعض حکماء نے اپنے فرزند کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا کہ: بیٹا تم کو اچھی طرح سننا بھی اسی طرح چاہیئے جیسے اچھی طرح بات کرنا، تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ تم کو اپنے بولنے سے دوسروں کے سننے کا زیادہ شوق ہے [3]

امامِ اعظم ابو حنیفہؒ کی وصایا:

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ نے اپنے صاحبزادہ حمادؒ کو وصیت فرمائی کہ اے میرے پیارے بیٹے! اللہ تجھے ہدایت پر ثابت قدم رکھے اور (امور خیر میں) تیری تائید فرمائے، میں تجھے چند وصیتیں کرتا ہوں اگر تم نے ان کو یاد رکھا اور ان پر پابندی سے عمل پیرا رہے تو مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ دنیا اور آخرت میں تم سعادت مند رہو گے۔

۱۔ تقویٰ اختیار کرو، یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اپنے اعضاء وجوارح کو گناہوں سے محفوظ رکھو اور اللہ کے احکام پر پوری طرح قائم رہو، اور ان سب سے اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت مقصود ہو۔

۲۔ سید الاستغفار میں مشغول رہنا (یعنی اس کو پڑھتے رہنا) سید الاستغفار یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّی لَآ اِلٰہَ اَنْتَ خَلَقْتَنِی وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰی عَھْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ، اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ مَا صَنَعْتُ اُبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَیَّ، وَاَبُوْءُ بِذَنْبِی

---

[1] از العلم والعلماء، [2] اسلام میں مشورہ کی اہمیت، ص ۱۲۵، [3] ایضاً ص ۱۱۳،

فَاغْفِرْ لِیْ ، فَاِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ ۔

اس کی فضیلت یہ ہے کہ جو شخص شام کو اس کو پڑھ لیگا، پھر اسی رات میں موت آجائیگی، تو جنت میں داخل ہوگا، اور جو شخص اسے صبح پڑھ لیگا، پھر اس دن میں مرجائیگا تو جنت میں داخل ہوگا۔

حضرت ابو الدرداءؓ سے کسی نے کہا کہ آپ کا گھر جل گیا، انہوں نے فرمایا کہ نہیں جلا، ان کلمات کی وجہ سے جو میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنے ہیں، آپ نے فرمایا کہ جو شخص ان کو دن کے شروع میں پڑھ لیگا اس کو شام ہونے تک کوئی مصیبت نہیں پہنچے گی، اور جو شخص دن کے آخری حصہ میں ان کو پڑھ لے، صبح ہونے تک اسے کوئی مصیبت نہیں پہنچے گی، (چونکہ میں ان کلمات کو پڑھتا ہوں اور آج بھی پڑھے ہیں، اس لئے میرے مکان میں آگ نہیں لگ سکتی) وہ کلمات یہ ہیں :

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ عَلَیْكَ تَوَكَّلْتُ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ، مَاشَاءَ اللّٰہُ كَانَ وَمَا لَمْ یَشَاْ لَمْ یَكُنْ ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ، اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ، وَاَنَّ اللّٰہَ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ، اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ ذِیْ شَرٍّ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ دَابَّۃٍ اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِیَتِھَا اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ،

۳۔ پابندی کے ساتھ روزانہ قرآن شریف پڑھنا، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اور اپنے والدین کو، اپنے استادوں کو اور تمام مسلمانوں کو اس کا ثواب پہنچانا۔

۴۔ جو لوگ تم سے تعلق رکھتے ہیں ان (کے شر) سے بچنے کا اس سے زیادہ اہتمام کرنا، جتنا اپنے دشمنوں (کے شر) سے بچنے کا اہتمام کرتے ہو، کیونکہ لوگوں میں بگاڑ زیادہ ہوگیا ہے، جو تمہارے دشمن ہیں، تمہارے دوستوں ہی سے پیدا ہوتے ہیں۔

۵۔ اپنے بھید کو اور اپنے زر یعنی مال کو (اور دنیاوی امور میں) اپنے اختیار کردہ انتظام کو اور کسی جگہ جانے کو پوشیدہ رکھنا۔

۶۔ پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا، اور پڑوسی سے جو تکلیف پہنچے اس پر صبر کرنا۔

۷۔ اہل السنۃ والجماعۃ کے مسلک کو مضبوطی سے پکڑے رہنا اور جہالت والوں اور گمراہوں سے علیحدہ رہنا۔

۸۔ اپنے تمام کاموں میں نیت خالص رکھنا اور ہر حال میں حلال کھانے کی فکر کرنا۔

۹۔ ان پانچ حدیثوں پر عمل کرتے رہنا جن کو میں نے پانچ لاکھ حدیثوں سے جمع کیا ہے (یعنی انتخاب کیے ہیں) وہ پانچ حدیثیں یہ ہیں :-

(الف) إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِامْرِئٍ مَا نَوَىٰ: یعنی سب اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور انسان کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی، (یعنی ثواب وعذاب نیتوں ہی سے متعلق ہے، عمل خالص اللہ کیلئے ہوگا تو ثواب ملے گا اور عمل ریاکاری کے طور پر ہوگا تو باعث عذاب ہوگا)،

(ب) مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ: انسان کے اسلام کی ایک خوبی یہ ہے کہ جو چیز (دنیا یا آخرت میں) اس کیلئے فائدہ مند نہ ہو اس کو چھوڑ دے۔

(ج) لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ: تم میں سے کوئی شخص مومن نہ ہوگا جب تک اپنے (مسلمان) بھائی کیلئے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

(د) إِنَّ الْحَلَالَ بَيِّنٌ وَالْحَرَامَ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ، كَرَاعٍ يَرْعَىٰ حَوْلَ الْحِمَىٰ يُوشِكُ أَنْ يَقَعَ فِيهِ، أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى، أَلَا وَإِنَّ حِمَى اللَّهِ مَحَارِمُهُ، أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ۔

یعنی بلاشبہ حلال (بھی) ظاہر ہے اور حرام (بھی) ظاہر ہے، اور دونوں کے درمیان شبہ کی چیزیں ہیں، جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے، سو جو شخص شبہات سے بچا، اس نے اپنے دین اور آبرو کو محفوظ کر لیا، اور جو شخص شبہات میں پڑ گیا (یعنی شبہ کی چیزوں کو چھوڑنے کے بجائے ان کو اپنے عمل میں لے آیا) وہ حرام میں پڑ جائیگا، جیسا کہ چرواہا اپنا ریوڑ (کسی کھیت کی) باڑ کے قریب چرائے تو عنقریب ایسا ہوگا کہ کھیت میں (بھی) اس کا ریوڑ چرنے لگے گا، (پھر فرمایا کہ) خبردار! بلاشبہ ہر بادشاہ نے (اپنے قانون وضع کرکے) باڑ لگادی ہے (اور اپنی رعایا کیلئے حد بندی کردی ہے۔

سنو! بیشک اللہ تعالیٰ کی حد بندی وہ چیزیں ہیں جن کو اس نے حرام قرار دیا ہے (پھر فرمایا کہ) خبردار! انسان کے بدن میں ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست ہوگا تو سارا جسم درست ہوجائے گا، اور وہ ٹکڑا اگر بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جائیگا، خبردار وہ ٹکڑا دل ہے۔

(ہ) اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ: یعنی کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سالم رہیں، (یعنی کسی بھی مسلمان کو کسی بھی طرح کی کوئی تکلیف اس سے نہ پہنچے۔)

(۱۰) تم اپنی صحت کے زمانہ میں خوف اور رجا یعنی امید وبیم کے درمیان رہنا، (یعنی فرائض اور

احکام بجالاتے ہوئے اور گناہوں سے بچتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا کہ پکڑ نہ ہو جائے، اور جو بھی نیک عمل کرو اللہ سے اس کے ثواب کی اور اس کے قبول ہونے کی اور آخرت میں نجات پانے کی امید بھی رکھنا) اور جب موت آنے لگے تو اس حال میں مرنا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسنِ ظن ہو (یعنی مغفرت اور نجات کا پختہ یقین ہو) اور امید غالب ہو کہ اللہ تعالیٰ ضرور مغفرت فرما دینگے، یہ خوف اور امید قلبِ سلیم کے ساتھ ہو، بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا، بہت مہربان ہے۔ [1]

ایک مرتبہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کو معلوم ہوا کہ خلیفۂ وقت منصور نے میرے لئے دس ہزار دینار کی رقم بھیجنے کا ارادہ کیا ہے، جب قاصد کے آنے کا وقت ہوا تو کپڑا لپیٹ کر لیٹ گئے، اور قاصد سے ٹھیک طرح بات نہیں کی بلکہ فرمایا کہ گھر کے کونے میں اس تھیلے کے اندر بھر کر رکھ دو۔

جب حضرت امام ابوحنیفہؒ کی وفات ہونے لگی تو اپنے صاحبزادے کو وصیت فرمائی کہ یہ رقم یوں کہکر واپس کر دینا کہ ابوحنیفہ کے پاس جو رقم تم نے امانت رکھی تھی واپس لے لو۔ [2]

حضرت شاہ مصباح العاشقینؒ کی وصیت:

شیخ محمد معروف حضرت شاہ مصباح العاشقین نے وصیت فرمائی کہ نماز جنازہ شیخ عبدالرزاق جو سب صاحبزادوں میں سن میں بڑے ہیں، یا شیخ عبدالرحیم جو حافظ قرآن ہیں، نوحہ کی ممانعت فرمائی، ایک مرتبہ آنکھ کھولی تو دیکھا کہ صاحبزادوں اور اہل تعلق پر گریہ طاری ہے اور وہ زار و نزار ہیں، آپ نے منع فرمایا، شیخ عبدالرحیم نے فرمایا کہ ایسی نعمت عظمیٰ اور ایسا پدر بزرگوار ہم سے جدا ہو رہا ہے، ہم کیوں نہ روئیں، جبکہ حضرت کی چشم مبارک بھی اشک آلود ہے، فرمایا:

گریۂ شما از اندیشۂ جانِ من، و گریۂ ما از اندیشۂ ایمانِ من، فرزندم! کار بتقویٰ و عبادت نیست، بلکہ برحمت و مغفرت اوست۔

انتقال کے وقت دونوں پاؤں سیدھے کر لئے، اور روح لطیف جسدِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ، [3]

(باقی آئندہ)

---

[1] ماخوذ از مجموعہ وصایا امام اعظمؒ، مترجم: استاذی المکرم حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی مدظلہ، مطبوعہ: ادارۃ المعارف، کراچی ۱۴۰۱ھ از ص ۵۶ تا ص ۶۶، [2] احیاء العلوم امام غزالیؒ ماخوذ فضائل علم ص ۱۶۴، مطبوعہ: مکتبہ دار العلوم کراچی ۱۴۰۱ھ، استاذ محترم (مذکور) [3] تذکرہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی ص ۱۸، مطبوعہ: مجلس نشریاتِ اسلام کراچی، مؤلف، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔

اکابر کی سادگی

حضرت حکیم الامتؒ کے ملفوظات کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ مولانا محمد قاسم صاحب کی ایک زمانہ میں دس روپیہ ماہانہ تنخواہ تھی۔ کتابیں تصحیح کرنے کا کام تھا۔ بزرگوں کا یہ حال تھا کہ دیکھنے والوں کو یہ نہ معلوم ہو کہ بہت بڑے ولی ہیں ان کے کپڑے بھی دیکھ کر کوئی اُن کو عالم یا مولوی نہیں سمجھتا تھا۔ اب تو علماء کے لباس بہت ممتاز ہوتے ہیں۔

آپ ایک مرتبہ اسٹیشن پہ تھانہ بھون کسی کام سے گئے تھے۔ وہاں کوئی بڑے آدمی گاڑی سے اترے۔ کوئی قلی موجود نہ تھا۔ مولانا کو دیکھ کوئی معمولی آدمی خیال کیا۔ آواز دی اِدھر آؤ سامان اٹھاؤ۔ آپ نے سر پر سامان اٹھا لیا اور ساتھ ساتھ شہر کی طرف چلے۔ بستی میں داخل ہوئے تو لوگوں نے آپ کی تعظیم کی۔ دریافت کرنے پر قصہ معلوم ہوا۔ تو اس نے معافی مانگی۔

اکابر کا توکل

اس رنگ کے یہ بزرگ تھے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کتابیں چھاپتے تھے: ان لوگوں نے جان بوجھ کر یہ طریقے اختیار کئے تھے حالانکہ وہ اس سے مستغنی تھے۔ حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اجازت ہو تو اس ملازمت کو چھوڑ دوں۔ فرمایا۔ مولانا ابھی تو مشورہ لے رہے ہیں۔ یہ دلیل ہے خامی کی کہ پورا توکل ابھی نہیں ہوا۔ اس حالت میں ملازمت چھوڑنا جائز نہیں۔

آج ہم جیسے کم علم لوگ بغیر اسباب کے توکل کے الفاظ کہتے ہیں۔ یہ کیسی غلطی ہے۔ خود حضرت حکیم الامت کو حاجی صاحب نے بوقتِ رخصت فرمایا کہ کانپور کی ملازمت جب چھوڑ دو تو پھر اور کوئی ملازمت نہ کرنا۔ فرمایا۔ دل میں خیال آیا کہ میں چھوڑنے ہی کیوں لگا لیکن جب آگے چل کر یہ معاملہ پیش آیا کہ ذکر اللہ میں سب کچھ چھوٹ گیا۔ یہاں تک کہ ملازمت بھی چھوڑنا پڑی تو وہ بات یاد آ گئی

ملازمت چھوٹنے کے بعد ڈیڑھ سو روپیہ قرض ہو گیا۔ حضرت گنگوہیؒ سے ادائیگی قرض کے لئے دعا کی درخواست کی۔ فرمایا دارالعلوم میں مدرسی کی ملازمت ہے کر لو۔ فرمایا۔ اگر آپ حکم دیں تو کر لونگا۔ لیکن حاجی صاحب نے آئندہ ملازمت کو منع کر دیا تھا اب آپ کا حکم مقدم ہو گا۔ حاجی صاحب کا حکم مؤخر ہے۔ فرمایا نہیں جب حاجی صاحب کا حکم ہے تو اسپر قائم رہیں اور دعا کر دی۔ فرمایا کہ قرض تو ادا ہو ہی گیا۔ لیکن اس کے بعد سے ہر وقت میرے پاس ڈیڑھ سو روپیہ ضروریات سے علیحدہ فارغ رہتے تھے۔

مفتی صاحب نے فرمایا کہ ہمارا ابھی دارالعلوم سے ملازمت چھوٹنے کا معاملہ پیش آیا سال بھر تک روکے رکھا۔ پھر فرمایا اب چھوڑ دو۔ ترکِ معاش کرنا بغیر مجبوری کے پسندیدہ نہیں۔ اب ۱۳۶۲ھ سے ۱۳۸۶ھ تک چوبیس ۲۴ سال ہو گئے۔ آج تک کبھی معاشی پریشانی تو ہوئی نہیں۔ بزرگوں کے ارشاد پر عمل کیا وہ بصیرت سے حکم دیتے تھے۔ حالانکہ مجھے حضرت نے آئندہ ملازمت کرنے کو منع بھی نہیں فرمایا۔ لیکن دل نے یہ چاہا کہ آپ کی سنّت پر عمل کروں۔ دین کی حکمت حقیقت میں بزرگوں پر منکشف ہو گئی تھی۔

حرام خور کو مرید کرنا

ایک شخص حرام روزی میں مبتلا ہے۔ اس کو مرید بھی کر لیا۔ فرمایا کہ میں معصیت کو جائز نہیں کرتا۔ کفر سے بچاتا ہوں اسلئے کہ یہ ملازمت چھوڑ دی، نفقر و فاقہ میں مبتلا ہو گیا تو کفر کے الفاظ نہ نکل جائیں۔ آج لوگ عیسائی مذہب اختیار کر رہے ہیں۔ وہ حقیقت میں اس مذہب کو اچھا نہیں سمجھتے۔ بلکہ فقر سے مجبور ہو کر ایسا کرتے ہیں۔ یہ چیز ہر شخص نہیں جانتا۔ عطائی علماء نے ایک لفظ سن لیا اسی کو کہتے پھرتے ہیں۔

فرمایا کہ بہت سے گناہ ایسے ہیں جس کو چھوڑ کر دس اور گناہوں میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے۔ اس لئے جب تک اس کو چھوڑ کر ہدایت کا راستہ نہ ملے اسے نہ چھوڑے۔ بعض بیماریاں ایسی ہیں کہ اگر ایک کا علاج کرو تو دس امراض پیدا ہو جائیں۔

حضرت امام شافعیؒ سفر میں تھے۔ ایک گاؤں میں پہنچے۔ اس زمانہ میں کوئی ہوٹل نہ ہوتے تھے۔ کوئی مسافر بستی میں آیا دیہات والوں نے فوراً اس کے کھانے کا بندوبست کیا۔ چنانچہ آپ کو دیکھ کر ایک شخص ٹیلہ پر چڑھا۔ ایک آواز اپنی بولی میں لگائی۔ اس کو سن کر سب لوگ اپنا اپنا کھانا لیکر وہاں جمع ہو گئے۔ ایک بڑا حوض بنا تھا۔ ہر شخص نے اپنا کھانا خواہ وہ چاول تھا یا دال یا روٹی یا گوشت سب نے اس میں ڈال دیا اور امام صاحب کو وہاں لے کر آ گئے۔ امام صاحب گھبرائے کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ دیکھا کہ ہر شخص آستین چڑھا کر حوض میں ہاتھ ڈالتا ہے اور بڑی بے ادبی سے کھانا شروع کیا۔ آپ غور کرتے رہے۔ دل میں خیال کیا کہ اگر سنّت پر عمل کروں گا تو سب ہنسیں گے اور سنّت پر ہنسنا کفر ہے اس لئے اس وقت اس سنت کو چھوڑنا ان کو کفر سے بچانا ہے۔ اس لئے خود بھی اسی طرح شریک ہو گئے۔ عطائی علماء ایک نیک کام کو لے کر کھڑے ہوتے ہیں۔ اس میں بہت سے واجبات و فرائض چھوٹ گئے پرواہ نہیں۔

ساز و سامان کی کمی بیشی منجانب اللہ ہے۔

ایک دفعہ سفر حج میں ایک مالدار اور ایک غریب کا ساتھ ہو گیا۔ غریب کو تکالیف میں دیکھ کر مالدار نے کہا۔ ناخواندہ مہمان کے ساتھ یہی سلوک ہوتا ہے۔ ہم کو بلایا ہے دیکھو کیسے آرام سے آئے ہیں۔ غریب نے کہا تم سمجھے نہیں۔ ہم تو گھر کے آدمی ہیں۔ تقریبات میں گھر کے آدمی کی خاطر نہیں ہوتی۔ مہمانوں کی تواضع کیجاتی ہے۔

انبیاء کرام کو ظاہری سامان کم ملتا ہے لیکن مدارج کسقدر بلند ہوتے ہیں خدا کے معاملات ہر شخص سے جدا جدا ہیں۔ بعض

بزرگ بھی بڑی شان سے رہے اور بعض تکالیف میں۔ خدا کی قدرت کسی قانون کی محتاج نہیں ہے۔ ہم کسی کو مقبول و مردود نہیں کہہ سکتے۔ نہ کسی کی عیش و عشرت دیکھ کر بدگمانی کرو اور نہ کسی کے فقر و فاقہ سے بدگمان ہو۔ ہر ایک کے معاملات خدا کے ساتھ جدا ہیں۔

ایک صاحب پردیسی ایک مسجد میں آئے۔ لوگ ان کے لئے کھانا لیکر آئے۔ انہوں نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ یہ کھانا میرے لئے نہیں۔ لوگوں کو تعجب ہوا۔ دیکھا تو ایک شخص مرغ پلاؤ لایا۔ انہوں نے وہ لے لیا اور کہا کہ ہاں یہ کھانا میرے لئے ہے۔ دریافت پر انہوں نے بتایا کہ ایک مرتبہ گھر میں کچھ دال وغیرہ تھی جو ان کو پسند نہ تھی۔ ماں نے کہہ دیا کہ نہیں کھاتا تو نہ کھا۔ اب تیرے لئے مرغ پلاؤ تو آنے سے رہا۔ اس نے کہا کہ اب تو جب خدا مرغ پلاؤ دیگا تو کھاؤنگا ورنہ کھانا ہی نہ کھاؤں گا۔ چنانچہ اس دن سے آج تک ہمیشہ مرغ پلاؤ ہی ملتا ہے۔ تو کسی پر کوئی گمان نہ کرتا۔ معلوم نہیں کس کی کیا دعا مقبول ہو جائے۔ اور کون خدا کی نظر میں مردود بن جائے۔

حضرت غوث الاعظم شاہانہ ٹھاٹھ سے رہتے تھے جو لباس کوئی بادشاہ نہ خرید سکتا وہ یہ خرید کر پہنتے تھے۔ اور دوسری طرف حضرت ابراھیم ادھم جنگل میں پیاسے کنوئیں اور ڈول کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے تھے۔ ایک ہرن آیا کنوئیں کو دیکھا کہ بہت گہرا ہے۔ اس نے گردن اوپر اٹھائی۔ خدا کی طرف دیکھا۔ گویا خدا سے التجا کی۔ پانی جوش کھا کر اوپر آ گیا۔ اس نے پیا۔ ابراہیم ادھم بھی اس کی طرف چلے۔ یہ پہونچے تو پانی پھر نیچے ہو گیا۔ ان کو بڑا رنج ہوا۔ اور دل میں کہا۔ مولا تیری شان! فوراً آواز آئی۔ ابراہیم! تم میں اور اس جانور میں کتنا فرق ہے۔ ہرن نے صرف ہماری طرف دیکھا اور تم ڈول، رسی کو تلاش کرتے پھر رہے ہو۔ پھر وہ جانور ہے بے عقل۔ تم کو ہم نے عقل دی۔ غرض عجب شان ہے خدا کی۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں بعض کو منہ مانگی مرادیں ملتی تھیں۔ بعض کو تکالیف۔ اور پہچاننا مشکل ہے کہ ان دونوں میں سے کون زیادہ مقبول ہے۔

بزرگوں کو ستانا سخت گناہ ہے۔

فرمایا۔ میاں جی نور محمد صاحب حضرت شیخ کے دادا پیر تھے۔ ایک شخص سے ان کی شان میں کچھ گستاخی ہو گئی۔ اور پھر وہ بیعت بھی ہو گیا حضرت سے۔ آپ نے ایک مدت کے بعد فرمایا کہ بھئی تم کو مجھ سے کوئی فائدہ تو نہیں پہنچ سکتا۔ چونکہ جب کبھی میں کوئی فائدہ پہنچانے کے لئے تم پر توجہ کرتا ہوں۔ وہ تمہارے الفاظ دیوار بن کر حائل ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ میں نے معاف کر دیا ہے لیکن دل پر ابھی تک اس کا اثر موجود ہے۔ بزرگوں کی شان میں گستاخی بعض اوقات رکاوٹ ہو جاتی ہے دینی مدارج حاصل کرنے میں اسی طرح کسی بزرگ کی بے ادبی کرنا، یا دل دکھانا سخت ترین گناہ ہے ایک صحابی جنہوں نے قبل اسلام حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا کہ تم اچھا ہے کہ میرے سامنے نہ آیا کرو۔ تم کو دیکھ کر مجھے اپنے چچا کا واقعہ یاد آتا ہے۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں۔ اللہ جب کسی کو ذلیل کرنا چاہتے ہیں تو وہ نیک لوگوں کی برائی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اللہ جس کی پردہ پوشی کرنا چاہتے ہیں وہ کسی عیب دار کو بھی برا نہیں کہتا۔ گناہ کا برا ہونا اور بات ہے۔ کسی گنہگار کو برا مت خیال کرو اس کے گناہ سے نفرت کرو معلوم نہیں کب وہ توبہ کر لے اور اس کا کیا معاملہ پیش آئے۔ انجام کسی کا معلوم نہیں۔

سلطان الہندؒ نے دو آدمیوں کو بیعت کرنے سے قبل فرمایا کہ پہلے اس حوض کو ناپ کر آؤ۔ جس کو تم بڑا کہہ رہے ہو۔ پھر جب وہ ناپ کر آئے اور کہا کہ ایک بالشت بڑا ہے تو پھر فرمایا کہ تم نے بہت بڑا کیوں کہا۔ ہم تم کو بیعت نہیں کرتے۔ آجکل شعبدے یاد کر لئے اور پیر بن گئے۔ کھانا پینا، بولنا، چلنا سب حرام۔ مگر شعبدہ یاد ہے۔ پیر کامل بن گئے۔ بزرگوں نے ایسے مجاہدات کئے تب یہ درجات حاصل ہوئے۔ ہم بغیر کسی محنت کے وہ درجات حاصل کرنا چاہتے ہیں اللہ پاک اپنے دین کی سمجھ عطا فرمائیں اور نیک علم و عمل کی توفیق ہم سب کو عطا کریں۔ آمین

غیرت وحیا

فرمایا غیرت ایک ایسی چیز ہے جس سے آدمی سیکڑوں گناہوں سے خود بخود محفوظ رہتا ہے۔ غیرت قریب قریب سب گناہوں کے لئے محافظ ہے۔ بہت سے ایسے ایسے باریک گناہ ہیں جن کو عقل بھی نہیں سوچ سکتی۔ لیکن جس میں غیرت کا مادہ ہوتا ہے ان کی طبیعت میں خود بخود وہ کھٹک جاتے ہیں پھر سوچنے سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی یہ تو کھلا ہوا گناہ تھا عقل کہاں تک سوچ سکتی ہے جب ہی تو ایمان کے شعبوں میں سے افضل اور ادنیٰ کا ذکر کر کے حیا کا خاص طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا کہ اَلْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ۔ حیا ایمان کا ایک شعبہ ہے۔ حالانکہ ضرورت نہ تھی، کیونکہ اور شعبے بھی تو غیر مذکور تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حیا اور غیرت بڑا بھاری شعبہ ہے ایمان کا۔ (انفاس عیسیٰ حصہ دوم)

مطبوعاتِ کتب خانہ مظہری ۱۹۸۷ء

کتاب	مصنف	قیمت
معارف مثنوی	حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ	۶۰/-
معارف شمس تبریز رح	"	۳۹/-
مجالس ابرار حصہ اول	"	۲۷/-
" حصہ دوم	"	۲۴/-
دنیا کی حقیقت	"	۲۴/-
روح کی بیماریاں اور ان کا علاج	"	۲۷/-
مودودی صاحب اکابرِ امت کی نظر میں	"	۱۸/-
دستور تزکیۂ نفس	"	۳/-
صدائے غیب	"	۱۰/-
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں	"	۵/-
کشکول معرفت	"	۶۰/-
شوقِ وطن	حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی	۷/۵۰
تحفۃ الشیوخ	"	۴/۵۰
تسہیل قصد السبیل	"	۵/۲۵
مواعظ ثلاثہ	"	۲۷/-
داڑھی کا وجوب	حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا	۱۲/-
فتنۂ مودودیت	"	۱۲/-
اسوۂ رسول اکرم قسم اول	حضرت عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحی صاحب	۵۴/-
" قسم دوم		۳۹/-
منکرات محرم	حضرت مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم	۷/۵۰
معرفتِ الٰہیہ کامل جدید	حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری	۵۴/-
فتاویٰ محمودیہ	مفتی اعظم ہند صدر مفتی دارالعلوم دیوبند جلد اول	۶۰/-
جلد دوم ۶۰/-	جلد سوم	۵۰/-
زلزلہ در زلزلہ ۱۲/-	موسیقی اور مسلمان	۱۲/-
ملفوظات حضرت شاہ عبدالغنی	خلیفہ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی	۱۰/-
تبلیغی نصاب	حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا	۴۸/-
فضائل حج	حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا	۱۸/-
دعوتِ اسلام	حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی	۳/-
ارشاد العابد	حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب مدظلہ	۷/۵۰
بھیڑ کی صورت میں بھیڑیا	"	۴/۵۰
فتنۂ انکار حدیث	"	۷/۵۰
سیرت ابوہریرہ رض	حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب بلند شہری	۵/-
سیرت حضرت بلال رض	"	۵/-
سیرت حضرت ابوذر غفاری رض	"	۵/-
فتوحاتِ اسلام (منظوم)	جناب محمد صدیق صاحب	۱۸/-
اخلاقِ سلف	حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب مدظلہ	۲۷/-
عرفانِ محبت	"	۲۱/-
مسنون دعائیں	حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم	۵/-
حکیم الامت اکابر معاصرین کی نظر میں	جناب سید محمود حسن صاحب	۱۵/-
سینما بینی اور اس کے مہلک اثرات	جناب حسن سعید صاحب	۴/۵۰
موضوعاتِ کبیر (عربی)	علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ	۲۴/-
نصیحتیں ابن عربی	علامہ محی الدین ابن عربی	۱/-
سیرت پاک (بچوں کے لئے)	مولانا عمار احمد صاحب	۱۰/-
مودودی صاحب اور ان کی تحریرات کے متعلق چند اہم مضامین	پاک و ہند کے ممتاز علماء کرام کی تحریریں	۳۹/-
مذاکراتِ دکن	مولانا حکیم محمد اختر صاحب	۳/-
کیا پردہ ملک کی ترقی میں رکاوٹ ہے	محمد پرویز رضوی علیگ	۱/-
احکام میت	حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب	۳۳/-
التشرف فی احادیث التصوف	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی	۲۷/-
التکشف	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی	۱۰۰/-
روضۃ الصالحین	مولانا محفوظ الحسن صاحب سنبھلی	اول ۲۱/- دوم ۲۱/-
صحبت اہل اللہ اور اس کے فوائد	مولانا حکیم محمد اختر	۶/-
اصلاحی نصاب	حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی	۶۰/-

ترتیب: محمد اقبال قریشی صاحب

اصلاحِ قلب اور اس کی ضرورت

افادات:

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہٗ

آیاتِ مبارکہ:

ارشاد فرمایا حق سبحانہ وتعالیٰ نے:

(۱) فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا (سورۃ البقرۃ، آیت ۹)

ان کے دلوں میں بڑا مرض ہے پس اللہ تعالیٰ نے ان کے مرض کو اور بڑھا دیا۔

ف:۔ اس میں اثبات ہے امراضِ قلب کا اور معاصی ہیں جیسا حضرات صوفیاء کے اطلاقات میں شائع ہے (مسائل السلوک من کلام ملک الملوک) سچ ہے ع

سخت بیماری ہے بیماریِ دل

پھر جس طرح امراضِ جسمانی کے علاج کے لئے اطباء اور ڈاکٹر صاحبان سے رجوع کرتے ہیں اسی طرح امراضِ قلب (اخلاقِ ذمیمہ وغیرہ) کے علاج کے لئے مشائخ کاملین سے رجوع کرنا ضروری ہے۔

(۲) اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۞ (سورۃ الرعد، آیت ۲۸) خوب سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہوجاتا ہے۔

ف:۔ روح میں ہے کہ اس اطمینان کا سبب ایک نور ہے جس کو اللہ تعالیٰ مومنین کے قلوب پر فائز فرماتا ہے جس سے پریشانی اور وحشت جاتی رہتی ہے۔ (مسائل السلوک) صحیح ہے ع

تسلّی دل کو ہوتی ہے خدا کی یاد کرنے سے

(۳) فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ٥
(سورۃ الحج ، آیت ۴۶) بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوجایا کرتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہوجایا کرتے ہیں۔

ف :۔ اس میں قلوب کیلئے اسماع والبصار کا اثبات ہے (مسائل السلوک) بقول عارف رومیؒ ؎

این سخن از گوشِ دل باید شنود
گوشِ گل اینجا نماند ہیچ سود

حدیث میں بھی ہے: اَللّٰهُمَّ افْتَحْ مَسَامِعَ قَلْبِيْ لِذِكْرِكَ ، یعنی اے اللہ میرے دل کے کان (مسام) اپنے ذکر کیلئے کھول دے۔

ف ۲ :۔ پس جس طرح ظاہر کی آنکھیں ہیں اسی طرح قلب کی بھی آنکھ ہے اگر قلب کو ہمہ تن شئی واحد کی طرف متوجہ کردیا جائے تو قلب کی شعاعیں دوسری طرف منتقل نہ ہوں گی پس کسی دوسری شئی کا خیال نہ آئے گا۔ (رفع الموانع صہ ۱۰۱)

احادیثِ طیبہ :

ارشاد فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے :

(۱) اِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا اَصْلَحَتْ صَلَحَ سَائِرُ الْجَسَدِ۔ متفق علیہ من حدیث النعمان بن بشیرؓ :۔ (ترجمہ) بدن میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے وہ جب سنور جاتا ہے تو تمام جسد سنور جاتا ہے (مراد قلب ہے کہ اس کی اصلاح سے تمام جسد کے اعمال درست ہوجاتے ہیں۔

ف :۔ یہ حدیث صریح ہے اس میں کہ اصلاح قلب اصل مدار ہے تمام اصلاح کا اور یہ مسئلہ گویا فن کی روح ہے۔ (التشرف بمعرفت احادیث التصوف ، صہ ۱۳۷)

(۲) الحدیث قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى مَا وَسِعَنِيْ اَرْضِيْ وَلَا سَمَائِيْ وَوَسِعَنِيْ قَلْبُ عَبْدِي الْمُؤْمِنِ اللَّيِّنَ یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھ کو نہ میری زمین سما سکتی ہے اور نہ میرا آسمان اور مجھ کو میرے مومن بندے کا قلب جس میں نرمی اور اطمینان (کی صفت) ہے سمولیتا ہے۔

ف :۔ اس حدیث میں اصل ہے حضرات صوفیاء کے اس قول کی کہ مومن کا قلب عرش اللہ ہے یعنی محل ہے تجلی اعظم کا جس کو وسع کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے (التشرف بمعرفت احادیث التصوف ، صہ ۸۹ ، صہ ۹۱) جس طرح بعض عشاق کا یہ قول ہے ؎

پر تو حسنت نہ گنجد در زمین و آسماں
در حریم سینہ حیرانم کہ چوں جا کردہ (التشرف ، صہ ۲۲۹)

اُردو کا یہ شعر گویا اس فارسی شعر کا ترجمہ ہے ؎

ارض و سما کہاں تری وسعت کو پا سکے

میرا ہی دل ہے جہاں تو سما سکے

(۳) الحدیث، قَلْبُ العَبْدِ بَیْنَ اَصْبَعَیْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ، (رواہ مسلم من حدیث عبد اللہ بن عمرؓ) یعنی بندہ کا دل حق تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے۔

ف:۔ اس حدیث میں بعض احوال قلبیہ کا مطلقاً غیر اختیاری ہونا اور بعض کا اختیار مستقل کے اعتبار سے غیر اختیاری ہونا مذکور ہے۔ (التشرف، صـ ۴۶)

قلبُ کا مفہوم:

کسی شاعر نے خوب کہا ہے ؎

وَمَا سُمِّیَ الْاِنْسَانُ اِلَّا لِاُنْسِہٖ

وَمَا سُمِّیَ الْقَلْبُ اِلَّا اَنْ یَّتَقَلَّبُ

یعنی انسان کا نام اس کے اُنس و محبت کے سبب رکھا گیا اور دل کا نام قلب اس لئے رکھا گیا کہ یہ کسی ایک حالت پر قائم نہیں رہتا بلکہ ہمیشہ اس کی حالت میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے ؎

میں اب سمجھا کہ کچھ نہیں دنیا مرا دل ہے

بدل جانے سے اسکے رنگ ہر اک چیز کا بدلا

غرض دل کی کیسی ہی اچھی حالت کیوں نہ ہو جائے اس پر کبھی اعتبار یا غرور نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ اس میں تغیر آتے دیر نہیں لگتی۔ اسی کو ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

گہ رشک برد فرشتہ بر پاکی ما

گہ خندہ زند دیو ز ناپاکی ما

ایماں چوں سلامت بہ لب گور بریم

احسنت بریں زچستی و چالاکی ما

بعض اوقات ہماری پاکیزگی و صفائی باطن پر فرشتہ بھی رشک کرتا ہے اور بعض دفعہ ہماری بد باطنی پر شیطان بھی ہنستا ہے اگر ہم ایمان سلامت لیکر قبر کے دہانے تک پہنچ جائیں اس وقت ہماری چستی و چالاکی پر شاباش کہنا۔ جن پر گزرتی ہے وہ جانتے ہیں کہ قلب کے اندر کتنا بڑا محکمہ ہے کہیں پھول پھلواری ہے کہیں خار ہے کہیں خزاں ہے کہیں بہار ہے اسی کو اہلِ جمال ظاہر کرتے ہیں ؎ (جمال الجلیل صـ ۵۳)

ستم است اگر ہوست کشد کہ بسیر سرو و سمن درا

تو زغنچہ کم نہ دمیدہ در دل کشا بچمن درا

دِل کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کا ایک فارسی شعر ہے ؎

دلے دارم جواہر خانۂ عشق است تحویلش
کہ دارد زیرِ گردوں سامانے کہ من دارم

قدسیؒ کہتا ہے ؎

دارم دلے اما چہ دل صد گونہ حرماں در بغل
چشمے و خوں در آستیں اشکے و طوفاں در بغل
روزِ قیامت ہر کسے آید بدستش نامہ
من نیز حاضر مے شوم تصویرِ جاناں در بغل

(مجالس حکیم الامتؒ صد ۱۰۶)

قلب کی نگہداشت کی اشد ضرورت ہے:

ہمارے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہٗ قلب کی نگہداشت کا امر فرمایا کرتے تھے۔ اور یہی اوفق بالسنۃ ہے۔ حضرتؒ فرماتے تھے کہ قلب کو ذاکر بنالو۔ بقیہ لطائف خود بخود ذاکر ہوجائیں گے ان کی مشق کی مستقل ضرورت نہیں۔ ایک کے منور ہونے سے دوسرے بھی منور ہوجائیں گے اس کی دلیل حدیث میں بھی ہے۔ اِنَّ فِی الجَسَدِ مُضْغَۃً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الجَسَدُ کُلُّہٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الجَسَدُ کُلُّہٗ یعنی جسم میں ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست رہتا ہے سارا جسم درست رہتا ہے اور جب وہ خراب ہوجاتا ہے سارا جسم خراب ہوجاتا ہے (اور وہ دل ہے) اَلَا وَھِیَ القَلْبُ (متفق علیہ)

رہا یہ اشکال کہ حدیث میں مضغہ[1] کا ذکر ہے لطیفہ قلب کا نہیں۔ جواب یہ ہے کہ حدیث میں مضغہ مراد نہیں ورنہ مضغہ تو حیوانات میں بھی ہوتا ہے بلکہ انسان سے بڑا ہوتا ہے۔ بلکہ وہ شئی مراد ہے جس کو اس مضغہ سے تعلق ہے کیونکہ مضغہ میں اصلاح وصلاحیت وادراک مسائل کی قوت نہیں اور قلب کیلئے فہم وعقل نصوص سے ثابت ہے۔ (التصرف بالتصرف)

قلب کی نگہداشت کی عمر بھر ضرورت ہے:

جس طرح عام حالت کے اعتبار سے قرآن بدون دائمی مزاولت کے یاد نہیں رہتا۔ اسی طرح اس طریق میں قلب کی نگہداشت عمر بھر[2] کا روگ ہے کسی وقت غفلت کی اجازت نہیں ؎

---

[1] قلب صوبری تو خاص قطعہ لحم کا نام ہے اور اس کے مقابلہ میں ایک قلب حقیقی ہے وہ ایک لطیفہ ہے اس کے انوار سے یہ صوبری منور ہوتا ہے۔ (اشرف المسائل۔ صد ۱۰۳)

[2] مکتبِ عشق کے انداز نرالے دیکھے   اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی
شاید کہ نگاہ کند آگاہ نباشی (انفاس عیسیٰ ج ۱ص ۳۰)

دیکھنے کی چیز دراصل قلب ہے:

زیادہ ضرورت اس کی ہے کہ دل میں دین کی وقعت ہو، عظمت ہو، لوگ اعمال کو دیکھتے ہیں، مگر دیکھنے کی چیز دراصل قلب ہے کہ اس کے دل میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت کس قدر ہے۔ (انفاس عیسیٰ ج ۲ ص ۵۹۶) واقعی ان کے بغیر دل کی مثال ایسی ہے ؎

بے ترے دل کیا ہے بس اک خول ہے
جلد آ یہ ناؤ ڈانوا ڈول ہے

افسوس دورِ حاضر میں اکثر لوگوں کے قلوب خشیت خداوندی سے خالی ہیں ؎

دغا مکر و حرص و ھوٹی دل کے اندر — حسد، بغض، کبر و ریا دل کے اندر
نہیں اس زمانہ میں کیا دل کے اندر — نہیں ہے تو خوفِ خدا دل کے اندر

قلب کا اثر لباس اور کلام میں:

قلب کا اثر انسان کے کلام اور لباس تک میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل اللہ کے تبرکات میں اثر ہوتا ہے اور صحبت میں اس سے زیادہ اثر ہوتا ہے۔ (کمالات اشرفیہ صہ ۶۸) بزرگان کاملین کے قلوب میں یہ برکت ہوتی ہے کہ جو ان کو راضی رکھتا ہے اور جس کی طرف ان کے قلوب متوجہ رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس پر فضل فرما ہی دیتا ہے تجربہ یہی ہے چنانچہ ایک مرتبہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور ایک شخص نہر میں وضو کر رہے تھے، امام صاحبؒ نیچے کی طرف تھے اور وہ شخص اوپر کی طرف۔ اس شخص نے خیال کیا کہ امام صاحبؒ مقبول بندے ہیں میرا مستعمل پانی ان کے پاس جاتا ہے یہ بے ادبی ہے اس لئے وہ اٹھ کر دوسری طرف ان کے نیچے جا بیٹھا، بعد انتقال کے اس کو کسی نے خواب میں دیکھا، پوچھا کہ مغفرت ہوئی یا نہیں۔ کہا میرے پاس کوئی عمل نہ تھا اس پر مغفرت ہوئی کہ تو نے ہمارے مقبول بندے احمد بن حنبلؒ کا ادب کیا تھا ہمیں یہ پسند آیا۔

(کمالات اشرفیہ، ص ۲۴۲)

اسی لئے حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ کوشش کرو کہ کسی (اہل اللہ) کے دل میں جگہ کرلو کیونکہ ان کے دل تجلی گاہ حق ہیں تو تمہاری حالت کچھ بھی ہو انشاء اللہ انوار تجلی سے محروم نہ رہو گے اس میں بڑی بشارت ہے۔ (اوج قنوج صہ ۳۵، معارف امدادیہ صہ ۶۷)

اسی لئے اپنے شیخ کی بے ادبی کرنے سے اس کے قلب میں کدورت پیدا ہو جاتی ہے۔ جو مانع ہوتی ہے تعدیہ فیض میں، حضرت حاجی صاحبؒ نے اس کی خوب مثال دی ہے کہ اگر کسی چھت

کے میزاب کے مخرج میں مٹی ٹھونس دی جائے تو جب آسمان سے پانی برسے گا تو گو وہ چھت پر نہایت صاف و شفاف حالت میں آئے گا لیکن جب میزاب میں ہو کر نیچے پہنچے گا تو بالکل گدلا اور میلا ہو کر۔ اسی طرح شیخ کے قلب پر جو ملاء اعلیٰ سے جو فیوض و انوار نازل ہوتے ہیں ان کا ایسے طالب کے قلب پر جس نے شیخ کے قلب کو مکدر کر رکھا ہے مکدر صورت ہی میں ہوتا ہے جس سے اس طالب کا قلب بجائے منور و مصفا ہونے کے تیرہ و مکدر ہوتا چلا جاتا ہے۔ (اشرف السوانح، ج ۲ ص ۱۱۷) اپنے شیخ کو مکدر رکھنے اور مکدر کرنے کا وبال طالب پر یہ ہوتا ہے کہ اس کو دنیا میں جمعیت قلب میسر نہیں ہوتی اور وہ عمر بھر پریشان رہتا ہے۔ (معارف امدادیہ، صہ ۱۱۴)

لایعنی کلام سخت مضر قلب ہے:

حضرات عارفین کا مشاہدہ ہے کہ ضروری گفتگو دن بھر ہوتی رہے تو اس سے قلب پر ظلمت کا اثر نہیں ہوتا۔ چنانچہ ایک کنجڑا دن بھر لے لو امرود' پکارتا پھرے تو ذرہ برابر قلب میں اس سے ظلمت نہ آئے گی کیونکہ بضرورت ہے اور بے ضرورت ایک جملہ بھی زبان سے نکل جائے تو دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ (انفاس عیسیٰ، ج ۱، صہ ۱۸۹)

دل ز پر گفتن بمیرد[1] در بدن
گرچہ گفتارش بود دُرِ عدن

بیکاری میں شیطان قلب میں تصرف کرتا ہے:

فرمایا کہ میں تو اس کو پسند کرتا ہوں کہ ہر شخص کام میں لگے چاہے وہ کام دین کا ہو یا دنیا کا۔ جو شخص مصروف ہوتا ہے وہ بہت سی خرافات سے بچا رہتا ہے۔ ایک بزرگ اپنے خدام کے ساتھ جا رہے تھے ایک شخص راستہ پر بیٹھا ہوا تھا۔ بزرگ نے اس کو سلام نہیں کیا اور جب اسی راستے سے لوٹے تو وہ شخص زمین کرید رہا تھا۔ ان بزرگ نے اس کو سلام کیا، لوگوں نے دریافت کیا کہ حضرت اس میں کیا راز تھا کہ اس شخص کو آپ نے پہلے تو سلام نہیں کیا اور اب کیا۔ فرمایا کہ پہلے وہ بیکار بیٹھا تھا، اس لئے اس کے قلب میں شیطان تصرف کر رہا تھا اور اب مشغول ہے گو بیکار ہی فعل میں سہی جو معصیت بھی نہیں اس لئے شیطان اس سے دور ہے۔ (انفاس عیسیٰ، ج ۲، ص ۵۹۶)

اصلاحِ قلب کیلئے قطع علائق ضروری ہے:

---

[1] حدیث میں ہے اِیَّاکُمْ وَکَثْرَةَ الضِّحْكِ فَإِنَّهَا تُمِيتُ الْقَلْبَ یعنی تم زیادہ ہنسنے سے بچو اس لئے کہ وہ دل کو مردہ کر دیتا ہے۔ (ھمۃ الآخرۃ ص ۵۴)

اصلاح قلب تمام علائق قطع کئے بغیر نہیں ہو سکتی اور قطع تعلق سے مراد تقلیل غیر ضروری تعلقات کی ہے اور ضروری تعلقات کی تکثیر مطلق مضر نہیں۔ (انفاس عیسیٰ ج ۱ ص ۳۶۰)

دل کے تباہ ہونے کی علامات:

مبصر شیخ یہ ادراک کر لیتا ہے کہ تمہارے تعلقات کا منشاء حظ نفس ہے یا اتباع سنت۔ وعظ کر کے دل خوش ہو، تعلقات ماسوی اللہ میں دل پھنسا ہو، یکسوئی سے کورا ہو، نماز پڑھنے میں حظ نہ آتا ہو ہاں وعظ چاہے جتنا کہلوالو، اس میں حظ آتا ہو، جلسوں میں شرکت کیلئے فوراً تیار ہو جاتے ہیں یہ حالات دل کے تباہ ہونے کی علامت ہے۔ (انفاس عیسیٰ ج ۱ ص ۳۶۰)

مصائب اور بلاؤں سے قلوب کا آپریشن:

جس طرح والدین بچوں کے دنبل کا آپریشن کرتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ قلوب کا آپریشن کرتے ہیں جبکہ دلوں میں غفلت بڑھ جاتی ہے اور گناہوں کی ظلمت سے دل پر پردے پڑ جاتے ہیں تو مصیبت اور بلا کے نشتروں سے دلوں کا خراب مادہ نکالا جاتا ہے اور انکی اصلاح کی جاتی ہے پس یہاں بھی بالفعل تکلیف ہے اور وہاں بھی مگر انجام دونوں کا راحت ہے، فرق اتنا ہے کہ وہاں راحت قریب ہے کہ پندرہ بیس ہی دن میں دنبل میں نشتر دینے کے بعد صحت ہو جاتی ہے اور یہاں بعید ہے کہ قیامت میں اس کا ظہور ہو گا جبکہ مصائب کا ثواب ملے گا۔

(کمالات اشرفیہ ص ۲۲۶)

واردات قلب منجانب اللہ ہیں:

حضرت مولانا گنگوہیؒ نے میرے ایک عریضہ کے جواب میں فرمایا کہ جو کچھ قلب پر وارد ہو منجانب اللہ خیال کرو۔ جو واردات مضر ہوں گے اس مراقبہ سے سب دفع ہو جائیں گے۔ (انفاس عیسیٰ ج ۲ ص ۳۳۴) حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے تھے کہ نماز پڑھنے میں جو کچھ قلب پر وارد ہوتا ہے صحیح ہوتا ہے۔ (روح القیام ص ۹۹، معارف امدادیہ ص ۱۷۳)

قلب سلیم خیر و شر کا صحیح ادراک کرتا ہے:

ایسا قلب[1] جو محل ہوتا ہے تجلیات لامتناہیہ کا اور مہبط ہوتا ہے انوار الٰہیہ کا،

---

[1] دل کے آئینہ میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

اسی کی نسبت کہا ہے ؎

آئینہ سکندر جامِ جم است بنگر

تا بر تو عرضہ دارد احوال ملک دارا

یہاں سکندر اور دارا سے مراد وہ دو بادشاہ نہیں جن کی کسی وقت لڑائی ہوئی تھی بلکہ دو مخالف مراد ہیں سکندر تم خود ہو اور دارا وہ ذاتِ شریف (ابلیس لعین) ہے جو سب کو دار پر لے جا رہا ہے مفہوم یہ ہوا کہ تمہارے اندر ایک آئینہ سکندر یا جامِ جم موجود ہے اس میں دیکھو اور غور کرو تو اس میں ملک دارا یعنی ابلیس کے حالات نظر آئیں گے یعنی ابلیس کے تلبیسات اور مکر و فریب کا انکشاف ہو جائے گا تو ان سے بچ سکو گے یہ اسی قلب کے متعلق ہے ــــ جس میں صفات قلب موجود ہوں کما قال اللہ تعالیٰ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَھُوَ شَھِیْدٌ ○ اس میں اس شخص کیلئے بڑی عبرت ہے جس کے پاس دل ہو یا وہ متوجہ ہو کر کان ہی لگا دیتا ہو (یعنی جس کا قلب سلیم ہو اور اس میں علم و عزم ہو) اور اس میں عقل سلیم سے استعداد ہو صحیح بات سمجھنے کی۔

واقعی اگر قلب میں صفت سلامت پیدا ہو جائے تو ایسا دقیقہ رس ہو جاتا ہے۔ کہ بے تکلف خیر و شر کا ادراک کر لیتا ہے۔ (جلاء القلوب ص ۹۰، ۹۳، ۹۴) مگر قلب میں ایسی صفت پیدا کرنے کے لئے کسی شیخ کامل کی سرپرستی میں سخت مجاہدہ کی ضرورت ہے۔ بقول عارف باللہ حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ ؎

آئینہ بنتا ہے رگڑے لاکھ جب کھاتا ہے دل

کچھ نہ پوچھو دل بڑی مشکل سے بن پاتا ہے دل

وسوسہ قلب کے باہر سے آتا ہے:

بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وسوسے قلب ہی کے اندر سے پیدا ہوتے ہیں یہ بات نہیں ہوتی بلکہ ہوتے تو باہر ہی ہیں لیکن معلوم ایسا ہوتا ہے کہ وہ اندر ہیں اور جب قلب میں عقاید حقہ مرکوز ہیں تو ان کے خلاف خود قلب سے کیوں پیدا ہوگا، خارج ہی سے آئے گا یعنی بالقاء شیطانی۔ جس طرح کسی شیشہ پر مکھی بیٹھی ہو تو ہوتی تو وہ شیشہ کے اوپر ہی ہے لیکن عکس کی وجہ سے دیکھنے میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اندر بیٹھی ہوئی ہے۔ (کمالات اشرفیہ، ص ۲۰۰)

نماز میں استحضار قلب مقصود ہے:

قطع وسوسہ کی کوئی تدبیر حدیث میں نہیں آئی یعنی ایسی تدبیر جس کے بعد وسوسہ آئے ہی نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی تدبیر بتلائی ہے کہ اگر وسوسہ آئے بھی ہو تو پریشانی

نہ ہو اور وہ عدم التفات ہے اس پر میں نے کہا کہ عدم التفات کے بعد یہ بھی نہ دیکھو کہ وسوسہ گیا یا نہیں یہ بھی التفات ہے بلکہ مجاہدہ کے بعد بھی وساوس موجود ہوں تو پریشان نہ ہو کیونکہ توجہ قلب کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے رویت بصر کی۔ (فناء النفوس) جب آپ ایک نقطہ کی طرف نگاہ کریں گے اور اشیاء بھی تبعاً نظر آئیں گی تو جس طرح حاسہ بصر کے سامنے اور چیزیں بھی اضطراراً آجاتی ہیں اسی طرح حاسہ بصیرت کے سامنے بھی کچھ چیزیں (وساوس) آجاتی ہیں اس لئے سالک کو وساوس سے پریشان نہ ہونا چاہیئے۔ (الوصل والفصل)

احضار قلب نماز میں مامور بہ ہے اور یہ اختیاری ہے اس کو تو عمل سے حاصل کرو۔ مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی ؒ نے ایک بار اس کی حقیقت یہ بیان فرمائی کہ نماز فعل مرکب ہے جسکے مختلف اجزا ہیں قیام وقعود اور رکوع وسجود، قرأت واذکار وغیرہ۔ پس احضار قلب یہ ہے کہ اسکے اعمال واقوال کو حفظ سے ادا نہ کرو بلکہ ارادہ اور توجہ سے ادا کرو کہ اب زبان سے یہ نکال رہا ہوں، اب یہ لفظ کہہ رہا ہوں، اب سجدہ کر رہا ہوں اور ہر فعل اور ہر لفظ پر جدید ارادہ کرو، اس طرح احضار قلب حاصل ہو جائے گا۔ (فناء النفوس) اس کو حضور قلب نہ سمجھے گا جو اختیاری نہیں نہ اس کا مکلف کیا گیا ہے بلکہ حکم اس کا ہے کہ تم اپنی طرف سے قلب کو حاضر کرنے کی کوشش کرو۔ اسی طرح اپنی طرف سے وساوس نہ لاؤ اور خود بخود آئیں تو پریشان نہ ہو اسی طرح اپنی طرف سے احضار قلب کی پوری سعی کرو)

وساوس جو آتے ہیں ان کا ہو غم کیوں
عبث اپنے جی کو جلانا برا ہے
خبر تجھ کو اتنی بھی ناداں نہیں ہے
وساوس کا لانا کہ آنا برا ہے

مزید تفصیل کیلئے احقر کا رسالہ "نماز میں وساوس کا علاج" کا مطالعہ انشاء اللہ بہت مفید ثابت ہوگا۔

اعتکاف کی حالت میں دل کا گھر میں رہنا:

اعتکاف کی حالت میں دل کے گھر میں رہنے کا تو کچھ ڈر نہیں کیونکہ غیر اختیاری ہے ہاں رکھنا نہ چاہیئے (کیونکہ یہ اختیاری ہے) اور وہ بھی جبکہ بلا ضرورت ہو اور ضرورت سے تو بعض اوقات رکھنے کا حکم ہے یعنی انتظام حقوق واجبہ یا مستحبات کیلئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو معراج میں کہ "اعلیٰ مقام ہے قرب کا" اپنا دل امت میں رکھا تھا اور ان کے مصالح کا اہتمام فرمایا تھا۔ (انفاس عیسیٰ، ج ۱، ص ۱۳۴)

دل میں وطن کا اشتیاق رکھتے ہوئے مکہ میں رہنا بڑی گستاخی ہے:

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہ کا ارشاد ہے" دل بمکہ وجسم بہ ہندوستان بہ از آنکہ جسم بہ مکہ و دل بہ ہندوستان" یعنی دل مکہ میں اٹکا ہوا اور جسم ہندوستان میں یہ اس سے بہتر ہے کہ جسم مکہ میں ہو اور دل ہندوستان میں) اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ حج سے فارغ ہونے کے بعد لوگوں سے کہتے پھرتے تھے کہ اب حج ہو چکا، اب گھر کا راستہ لو یَآ اَھْلَ الْیَمَنِ یَمَنُکُمْ وَ یَآ اَھْلَ الشَّامِ شَامُکُمْ وَ یَآ اَھْلَ الْعِرَاقِ عِرَاقُکُمْ یعنی یمن والے یمن جاؤ، شام والے شام کو واپس جاؤ اور عراق کے رہنے والے عراق واپس جاؤ۔ حضرت عمرؓ بڑے حکیم تھے۔ وہ جانتے تھے کہ حج کے بعد قدرتی طور پر وطن کا اشتیاق دلوں میں پیدا ہو جاتا ہے تو اب ایسی حالت میں مکہ کے اندر قیام کرنا باطن کے لئے مضر ہو جاتا ہے۔ اس دربار میں اپنے گھر کو یاد کرتے ہوئے نہ رہنا چاہیئے یہ بڑی گستاخی ہے (کمالات اشرفیہ صد ۴۵، تفاضل الاعمال صد ۱۲، محاسن الاسلام صد ۶۰، معارف امدادیہ صد ۶۶)

قلب کی اول کھٹک پر عمل کرنا چاہیئے:

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلَا اِنَّ التَّقْوٰی وَ اٰنَآ اِلٰی صَدْرِہٖ یاد رکھو تقویٰ اس جگہ ہے اور اپنے قلب کی طرف اشارہ فرمایا یعنی تقویٰ (اللہ تعالیٰ سے ڈرنا) افعال قلوب سے ہے، (التقویٰ صد ۱۸) بقول شاعر ؎

کسی سے میں یہ کیوں پوچھوں تصوف کس کو کہتے ہیں
خود اپنے دل کو دیکھا اور کہا کہ اس کو کہتے ہیں

حدیث شریف میں ہے اِسْتَفْتِ قَلْبَکَ وَلَوْ اَفْتَاکَ الْمُفْتُوْنَ (اپنے دل سے فتویٰ لو اگرچہ مفتی بھی فتویٰ دے دیں) یعنی باطنی مفتی کے خلاف ظاہری مفتی کا قول نہ لیا جائے خصوصاً جبکہ مفتی خود ہی مفتون ہوں، وہاں تو فتووں پر اعتماد کرنا ہی نہ چاہیئے بلکہ فتوے کیساتھ اپنے دل کو دیکھو کہ وہ کیا کہتا ہے ہاں جہاں قلب شہادت دے دے وہاں بخوشی اجازت ہے۔ (ارضاء الحق ج ۲ صد ۴۲) حضرت جب دل کو لگتی ہے اس وقت جواز کے سارے فتوے رکھے رہ جاتے ہیں اور اس وقت تک چین نہیں ملتا جب تک کھٹک کی بات کو دور نہ کیا جائے۔ مولانا محمد منیر صاحب نانوتہ میں ایک بزرگ تھے ایک دفعہ ان کے ہاتھ سے مدرسہ دیوبند کی ایک امانت ضائع ہو گئی، سفر میں کسی نے چرالی اور رقم ذرا زیادہ تھی انہوں نے فوراً مدرسہ میں اطلاع کر دی کہ وہ امانت میرے پاس سے چوری ہو گئی لیکن میں ضمان ادا کروں گا۔ مدرسہ والوں نے چاہا کہ مولوی صاحب سے ضمان نہ لیں کیونکہ ان کی دیانت پر پورا اعتماد تھا کہ انہوں نے قصداً حفاظت میں کوتاہی نہیں کی اور ایسی حالت میں شرعاً ان پر ضمان نہیں، چنانچہ ان سے کہا گیا تو انہوں نے اس کو منظور نہ کیا اور کہا مجھے بغیر ضمان ادا کئے چین نہ آئے گا۔ مدرسہ والوں نے حضرت مولانا گنگوہیؒ سے عرض کیا کہ

حضرتؒ مولوی محمد منیر صاحبؒ نہیں مانتے۔ مدرسہ کا ضمان ادا کرنا چاہتے ہیں، اگر آپ فتوٰی لکھ دیں تو شاید مان جائیں کیونکہ مولانا گنگوہیؒ کو ساری جماعت بڑا مانتی تھی اور مولانا کے فتوے پر ہر شخص کو پورا اعتماد تھا۔ حضرتؒ نے فتوٰی لکھ دیا کہ جب امین نے حفاظت میں کوتاہی نہ کی تو اس پر شرعاً ضمان نہیں۔ مدرسہ والوں نے یہ فتوٰی مولوی منیر صاحبؒ کو لاکر دکھایا۔ حالانکہ مولوی منیر صاحبؒ مولانا گنگوہیؒ کا بڑا ادب کرتے تھے مگر اس وقت یہ فتوٰی دیکھ کر ان کو بڑا جوش آیا اور ہم عمری کے سبب ناز کے لہجہ میں کہا بس میاں رشید احمد نے سارا فقہ میرے ہی واسطے پڑھا تھا وہ اپنے کلیجہ پر ہاتھ رکھ کر دیکھیں، اگر ان کے ہاتھ سے مدرسہ کی امانت ضائع ہوجاتی تو کیا وہ خود بھی اس فتوے پر عمل کرتے یا بغیر ادا کئے چین نہ ملتا۔ لے جاؤ میں کسی کا فتوٰی دیکھنا نہیں چاہتا حضرت رحؒ انہوں نے نہیں مانا اور زمین بیچ کر یا نہ معلوم کس طرح مدرسہ کی رقم ادا کی جب چین پڑا (ارضاء الحق ص ۴۳ ج ۲ ، معارف گنگوہیؒ)

حضرت! یہ کھٹک بھی ایک فرشتہ غیبی ہے جو حق تعالیٰ کی طرف سے آپ کو تنبیہ کرتا ہے، جب بار بار تم اس کو دباؤ گے تو وہ خاموش ہوجائے گا اور یہ سخت بات ہے۔ بعض لوگ ممکن ہے یوں کہیں کہ جب ہم نے قواعد شرع کے بموجب ایک کام کیا ہے تو پھر کھٹک پر توجہ کرنے کی کیا ضرورت ہے، ان سے میں کہتا ہوں کہ شریعت کا ایک یہ بھی قاعدہ ہے: اَلْاِثْمُ مَاحَاكَ فِيْ صَدْرِكَ کہ گناہ وہ ہے جس سے تمہارے دل میں کھٹک پیدا ہو، پھر تم نے اس قاعدہ پر عمل کیوں نہ کیا اور جب کسی عمل کے متعلق دل میں کھٹک پیدا ہوئی تھی، اس کو کیوں نہ چھوڑ دیا۔

(ارضاء الحق، ج ۲ ص ۳۰)

قلب کا یہ قاعدہ ہے کہ اول وہلہ میں اس کو جس قدر کراہت ونفرت ہوتی ہے دوسری مرتبہ میں ویسی نفرت نہیں ہوتی اور اس میں جو کھٹک اول وہلہ میں پیدا ہوتی ہے اگر اس پر عمل نہ کیا گیا بلکہ اس کو دبا دیا گیا تو پھر یہ کھٹک کمزور ہوجاتی ہے (انفاس عیسیٰ، ج ۱ ص ۲۸۴) اس لئے قلب کی اول ہی کھٹک پر عمل کرنا چاہیئے۔

معصیت سے قلبی اور روحانی صحت برباد:

جس طرح طب اکبر پر عمل نہ کرنے سے صحت جسمانی میں خرابی آتی ہے اسی طرح احکام الٰہی پر عمل نہ کرنے سے قلبی اور روحانی صحت برباد ہوجاتی ہے۔ (فان الجنۃ ھی المادی ص ۵۳) قلب کا یہ قاعدہ ہے کہ ناجائز فعل سے اول وہلہ میں اس کو جس قدر کراہت ونفرت ہوتی ہے دوسری مرتبہ میں ویسی نفرت نہیں ہوتی اور اس میں جو کھٹک اول وہلہ میں پیدا ہوتی ہے اگر اس پر عمل نہ کیا گیا بلکہ اس کو دبا دیا گیا تو پھر یہ کھٹک کمزور ہوجاتی ہے اور بار بار کے دبانے سے بالکل جاتی رہتی ہے جو قلب کے سیاہ دبے حس اور مردہ ہوجانے کی دلیل ہے کہ اب قلب کو گناہ سے الفت ہوگئی ہے، اس لئے

کھٹک نہیں مگر یہ شخص سمجھتا ہے کہ مجھ پر حق واضح ہوگیا اور شرح صدر ہوگیا اس لئے کھٹک موقوف ہوگئی، یاد رکھو یہ حالت سخت خطرناک ہے۔ (ارضاء الحق ج ۲ ص ۲۸)

قلب کا زنا:

حدیث میں ہے: وَالْقَلْبُ يَزْنِي وَزِنَاهُ اَنْ يَّشْتَهِيْ یعنی قلب بھی زنا کرتا ہے اور اس کا زنا خواہش کرنا ہے۔ (رفع الموانع، ص ۵۱) چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے صحبت کرتے ہوئے اجنبیہ کا تصور کرے، تو اسے زنا کا گناہ ہوگا۔ (مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو اشرف الاحکام، حصہ چہارم)

اعمالِ باطنہ کا محاسبہ:

حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز فرمائے گا کہ یہ وہ دن ہے جس میں پوشیدہ چیزوں کا جائزہ لیا جائے گا اور دلوں کے پوشیدہ راز کھولے جائیں گے اور یہ کہ میرے کاتب اعمال فرشتوں نے تو تمہارے صرف وہ اعمال لکھے ہیں جو ظاہر تھے اور میں ان چیزوں کو جانتا ہوں جن پر فرشتوں کو اطلاع نہیں اور نہ انہوں نے وہ چیزیں تمہارے نامۂ اعمال میں لکھی ہیں اور وہ سب تمہیں بتلاتا ہوں اور ان پر محاسبہ کرتا ہوں پھر جس کو چاہوں گا بخش دوں گا اور جس کو چاہوں گا عذاب دوں گا پھر مؤمنین کو معاف کر دیا جائے گا اور کفار کو عذاب دیا جائے گا۔ (قرطبی)

ارشاد باری ہے: وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ (سورۃ البقرہ آیت ۲۸۴) جو باتیں تمہارے نفسوں میں ہیں اگر تم (زبان وغیرہ سے) ظاہر کرو گے یا کہ (دل میں) پوشیدہ رکھو گے اللہ تعالیٰ تم سے حساب لیں گے۔

آیت مذکور میں جس محاسبہ کا ذکر ہے اس سے مراد وہ ارادے اور نیتیں ہیں جو انسان اپنے قصد اور اختیار سے اپنے دل میں جماتا ہے اور اس کے عمل میں لانے کی کوشش بھی کرتا ہے پھر اتفاق سے کچھ موانع پیش آجانے کی بناء پر ان پر عمل نہیں کر سکتا، قیامت کے دن ان کا محاسبہ ہوگا پھر حق تعالیٰ جس کو چاہیں اپنے فضل و کرم سے بخش دیں اور جس کو چاہیں عذاب دیں۔ تفسیر مظہری میں ہے کہ انسان پر جو اعمال اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض کئے گئے ہیں یا حرام کئے گئے ہیں وہ کچھ ظاہری اعضاء و جوارح سے متعلق ہیں نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور تمام معاملات اسی قسم میں داخل ہیں اور کچھ اعمال و احکام وہ بھی ہیں جو انسان کے قلب اور باطن سے تعلق رکھتے ہیں ایمان و اعتقاد کے تمام مسائل تو اسی میں داخل ہیں اور کفر و شرک جو سب سے زیادہ حرام و ناجائز ہیں ان کا تعلق بھی انسان کے قلب سے ہے اخلاق صالحہ، تواضع، صبر، قناعت، سخاوت وغیرہ اسی طرح اخلاق رذیلہ کبر، حسد، بغض، حب دنیا، حرص وغیرہ یہ سب چیزیں ایک درجہ میں حرام قطعی ہیں ان سب کا تعلق بھی انسان کے

اعضاء وجوارح سے نہیں بلکہ دل اور باطن سے ہے، اس آیت میں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ جس طرح اعمال ظاہرہ کا حساب قیامت میں لیا جائے گا اسی طرح اعمال باطنہ کا بھی حساب ہوگا اور خطا پر بھی مؤاخذہ ہوگا باقی وساوس اور غیر اختیاری خیالات جو انسان کے دل میں بغیر قصد اور ارادہ کے آجاتے ہیں بلکہ ان کے خلاف ارادہ کرنے پر بھی آتے رہتے ہیں ایسے غیر اختیاری خیالات اور وساوس کو اس امت کے لئے حق تعالیٰ نے معاف کر دیا ہے، چنانچہ حدیث میں ہے: إِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ عَنْ أُمَّتِيْ عَمَّا حَدَّثَتْ أَنْفُسُهَا مَا لَمْ يَتَكَلَّمُوْا أَوْ يَعْمَلُوْا بِهٖ (قرطبی) یعنی اللہ تعالیٰ نے میری اُمت کو معاف کر دیا ہے وہ جو ان کے دل میں خیال آیا جب اس کو زبان سے نہ کہا یا عمل نہ کیا ہو۔ (تفسیر معارف القرآن، ج ۱، ص ۶۹۰، ص ۶۹۱)

اصل رونا دل کا ہے:

میرے پاس بعض ذاکرین کے خطوط آتے ہیں کہ ہم کو رونا نہیں آتا، اس کا افسوس ہے، میں لکھ دیتا ہوں کہ تمہارا دل تو روتا ہے اور کیا چاہتے ہو اور اس کی دلیل یہ ہے کہ تم کو نہ رونے پر افسوس ہے (فناء النفوس)

ایک صاحب نے لکھا کہ مجھے وعظ سن کر نہ رونا آتا ہے نہ ذکر وغیرہ میں خوفِ خدا ہوتا ہے، یہ سنگ دلی تو نہیں۔ اس پر جواباً تحریر فرمایا: "رونا دل کا مقصود ہے آنکھ کا نہیں وہ حاصل ہے دلیل اس کی یہ تاسف ہے۔"
(انفاس عیسیٰ، ج ۱ ص ۱۰۶)

ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ اگر رونا ہی ولایت ہے تو رونا کیا مشکل ہے لاؤ ایک لاٹھی میں مارنا شروع کروں ایک طرف سے سب رونے لگیں گے، خوب کہا ہے ؎

عرفی گر بگریہ میسر شدے وصال
صد سال مے تواں بہ تمنا گریستن

حدیث میں ہے: اِبْكُوْا فَاِنْ لَّمْ تَبْكُوْا فَتَبَاكَوْا یعنی روؤ اور اگر رونا نہ آئے تو رونے کی صورت بناؤ۔ اس سے معلوم ہوا کہ بکاء مقصود نہیں کیونکہ ہر حال میں امر غیر اختیاری ہے اور ایسا غیر اختیاری مقصود نہیں ہوتا بس جس کو رونا نہ آتا ہو وہ رونے کی صورت ہی بنالے یہ کافی ہے۔
(فناء النفوس)

ایک صاحب نے لکھا کہ قلب میں قوت انفعالیہ کا نام و نشان نہیں، صحبت مجلس سے بھی حالت میں کوئی تغیر نہیں ہوتا اس لئے سخت خطرہ ہے کہ کہیں قائلین قلوبنا غلف یا ارشاد لا یجاوز حناجرھم (الحدیث) کا مصداق تو نہیں ہوگیا۔ فرمایا کہ جو لوگ اس کے مصداق ہوتے ہیں ان کے مصداق ہونے کا احتمال تک نہیں بلکہ التفات تک نہیں ہوتا یہی دلیل ہے اس کے مصداق نہ ہونے کا۔ (کمالات اشرفیہ ص ۸۴)

(باقی آئندہ)

مسجدوں میں دُنیا کی بات نہ کی جائے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

"ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ مسجدوں میں لوگوں کی بات چیت اپنے دنیوی معاملات میں ہوا کرے گی، تمہیں چاہیئے کہ ان لوگوں کے پاس بھی نہ بیٹھو، اللہ کو ان لوگوں سے کوئی سروکار نہیں۔"

(شعب الایمان للبیہقی)

مسجد چونکہ خانۂ خدا ہے اس لیئے اس کے ادب کا یہ بھی تقاضا ہے کہ اس میں ایسی باتیں نہ کی جائیں جن کا اللہ کی رضا طلبی سے اور دین سے کوئی تعلق نہ ہو۔

حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ

کھانے پینے کے آداب

حدیث وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَأْکُلَنَّ اَحَدُکُمْ بِشِمَالِہٖ وَلَایَشْرَبَنَّ بِھَا فَاِنَّ الشَّیْطَانَ یَاْکُلُ بِشِمَالِہٖ وَیَشْرَبُ بِھَا۔ رواہ مسلم

(مشکوٰۃ صـ ۳۶۳ کتاب الاطعمہ)

ترجمہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرگز ہرگز تم میں سے کوئی نہ کھائے بائیں ہاتھ سے اور نہ ہرگز ہرگز پیئے بائیں ہاتھ سے اس لئے کہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اور بائیں ہاتھ سے پیتا ہے۔

تشریح از مرقاۃ ج ۸ صـ ۱۶۲ حضرت ملا علی قاریؒ ایک محدث علامہ طیبیؒ کے حوالہ سے بیان فرماتے ہیں کہ شیطان برانگیختہ کرتا ہے اپنے دوستوں کو وہ دوست جو انسان کی قوم سے ہیں، یعنی انسانوں میں وہ اپنے دوست بنالیتا ہے۔ شیاطین تو اس کے پکے رجسٹرڈ دوست ہیں ہی لیکن انسانوں کو بھی وہ دوست بنالیتا ہے اور اپنے مسلک پر لے آتا ہے لہذا انسانوں میں سے جن کو وہ دوست بناتا ہے ان کو برانگیختہ کرتا ہے کہ وہ بائیں ہاتھ سے کھائیں اور بائیں ہاتھ سے پئیں۔

ملا قاریؒ فرماتے ہیں۔ ومن حق الکرامۃ ان تتناول بالیمین ویمیز بھا بین ما کان من النعمۃ وبین ما کان من الاذیٰ۔

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے اکرام کا حق یہ ہے کہ ان کو داہنے ہاتھ سے استعمال کرو تاکہ نعمتیں اور اذیت کی چیزوں میں فرق پیدا ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو داہنے ہاتھ

سے کھاؤ تاکہ نعمتیں الگ معلوم ہوں اور ان کا اکرام ظاہر ہو اور جو اذیت کی چیزیں ہیں ان میں بایاں ہاتھ استعمال کرو تاکہ دونوں میں فرق تو معلوم ہو۔ پیشاب پاخانہ اذیت کی چیزیں ہیں، اسی طرح ناک صاف کرنا، بلغم وغیرہ رومال میں لینا ہے، جوتا اٹھانا ہے تو بائیں ہاتھ میں لو۔ گھٹیا کام جتنے ہیں وہ سب بائیں ہاتھ سے کرو۔ اب اگر بائیں ہاتھ سے کھایا تو پیشاب، پاخانہ اور کھانے میں کیا فرق رہا۔ اسی ہاتھ سے کھایا اور اسی ہاتھ سے پاخانہ صاف کرلیا تو نعمت کے اکرام کا حق ادا نہ کیا اور نہ نعمت اور اذیت والی چیزوں میں فرق اور تمیز کیا، تو یہ محدثین کیا پیاری شرح کر رہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اللہ کی نعمت اور گندی چیزوں میں فرق تو کرو۔ یہ اللہ کی نعمت کا حق ہے۔ کھانا شاہی اور سرکاری انعام ہے۔ کھانا نہ ملے تو پتہ چلے۔ ایک تابعی نے ایک صحابیؓ سے پوچھا کہ سنا ہے آپ لوگ جب جہاد لڑتے تھے تو کھجور کی گٹھلیاں چوس کر لڑتے تھے یعنی جب کھجوریں ختم ہو جاتیں تھیں تو گٹھلیاں چوسنے لگتے تھے تو گٹھلیاں چوسنے سے کیا ملتا تھا! اور کتنی قوت آتی تھی؟ صحابیؓ نے فرمایا جب وہ گٹھلیاں بھی ختم ہوگئیں تب پتہ چلا کہ کیا ملتا تھا! کس مجاہدہ سے صحابہ نے اسلام پھیلایا ہے، بتائیے ریفریجریٹر کا ٹھنڈا پانی پیا تھا انھوں نے؟ ایرکنڈیشن میں بیٹھے تھے وہ؟ آج کتنی موٹی قالینوں پر ہم لوگ نمازیں پڑھ رہے ہیں؟ سوچیے اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کیجئے۔ بعض وقت دل روتا ہے کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ٹھنڈے پانی کے لئے صحابہؓ کو دور دور بھیجتے تھے۔ صحابہ میلوں دور جاتے تھے ٹھنڈے پانی کی تلاش میں اور نہ جانے کہاں کہاں سے کنوؤں سے پانی لے کر آتے تھے۔ ہم ٹھنڈا پانی پیتے ہیں تو دل میں یاد آتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ ایجاد ہوگیا ہوتا تو حضورؐ بھی نوش فرمالیتے۔ تو ہم اپنی نعمتوں میں یاد کریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور صحابہؓ کو۔ ہمارے اوپر کس قدر شکر نعمت واجب ہے!

تو حکم یہ ہے کہ داہنے ہاتھ سے کھاؤ اور داہنے ہاتھ سے پیو تاکہ نعمت میں اور اذیت والی گھٹیا چیزوں میں فرق ہو جائے۔ یہاں تک کہ اگر ماں باپ دادا دادی کوئی چیز یا پیسہ دیں، کوئی بزرگ کوئی تحفہ دیں، بزرگ جو دیں اسے تحفہ کہتے ہیں اور چھوٹا اگر بڑے کو کوئی چیز دے تو اسے ہدیہ کہتے ہیں تو جب وہ کچھ دیں تو داہنے ہاتھ میں لو۔ جو لوگ یہ مسئلہ نہیں جانتے ہیں فوراً بایاں ہاتھ بڑھا دیتے ہیں۔ مجھے خوب یاد ہے کہ ایک مرتبہ عید یا کسی اور موقعہ پر حضرت پھولپوریؒ نے مجھے پانچ روپیہ تحفہ دیا تو میرا بایاں ہاتھ آگے نکل گیا۔ حضرت نے فوراً اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا کہ داہنا ہاتھ آگے بڑھاؤ پھر ملے گا۔ یہ ہوتی ہے عملی تربیت۔ آپ لوگ بھی اپنے بچوں کو ٹافی وغیرہ دیں تو ہدایت کریں کہ دایاں ہاتھ بڑھایا کرو۔

شرح کے شروع میں محدث عظیم علامہ طیبیؒ کا جو قول نقل کیا گیا ہے اس کا عربی متن یہ ہے:

لا یاکلن احدکم بشمالہ ولا یشربن بہا فانکم ان فعلتم ذٰلک کنتم

اولیاء الشیطان فان الشیطان یحمل اولیاءہ من الانس علیٰ ذٰلک ۔
ترجمہ :۔ تم میں سے کوئی شخص بائیں ہاتھ سے نہ کھائے نہ بائیں ہاتھ سے پیئے اگر تم نے بائیں ہاتھ سے کھانا پینا کیا تو تم شیطان کے دوست بن جاؤ گے ۔ کیونکہ شیطان اپنے دوستوں کو جو انسانوں ہی میں سے ہیں اس بات پر برانگیختہ کرتا ہے کہ وہ بائیں ہاتھ سے کھائیں اور بائیں ہاتھ سے پئیں ۔ سبحان اللہ! کیا عمدہ شرح فرمائی ہے ۔

اور علامہ محی الدین ابوزکریا نوویؒ شارح مسلم فرماتے ہیں انه ینبغی اجتناب الافعال التی تشبه افعال الشیاطین ۔ یعنی اس حدیث کے اندر ہمیں یہ ہدایت دی گئی ہے سرکار دو عالم سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کہ ان افعال سے اجتناب کرو جو شیطانی فعلوں کے مشابہ ہیں یعنی شیاطین والے کاموں کی نقل مت کرو ، اسی سے علماء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمان قوموں کی عادتوں کو چھوڑو ، صالحین کی وضع قطع اختیار کرو ۔ صالحین جیسا جینا سیکھو ، صالحین جیسا مرنا سیکھو ۔ مجھے اپنا ایک اردو شعر یاد آیا ۔

مری زندگی کا حاصل مری زیست کا سہارا
ترے عاشقوں میں جینا ترے عاشقوں میں مرنا
مجھے کچھ خبر نہیں تھی ترا درد کیا ہے یارب
ترے عاشقوں سے سیکھا ترے سنگِ در پہ مرنا

اللہ پر مرنا بھی سیکھنا پڑتا ہے ، اللہ پر مرنے والوں سے ، مولانا شاہ محمد احمد صاحب دامت برکاتہم جو حضرت مولانا فضل رحمٰن صاحب گنج مراد آبادیؒ کے سلسلہ کے بہت بڑے بزرگ ہیں ۔ سلسلہ تو نقشبندی ہے لیکن بڑے چشتی ہیں سراپا عشق و محبت ہیں فرماتے ہیں ۔

سنیں یہ بات میری گوشِ دل سے جو میں کہتا ہوں
میں ان پر مر مٹا تب گلشنِ دل میں بہار آئی

خدا پر مر کے تو دیکھو مجاہدہ تو کر کے دیکھو گناہوں سے بچو ، دیکھو دل کو کیسی بہار عطا ہوتی ہے ۔
خواجہ صاحب فرماتے ہیں ۔

میں دن رات رہتا ہوں جنت میں گویا
مرے باغِ دل میں وہ گلکاریاں ہیں

ایک دوست نے جو بزرگوں کے صحبت یافتہ ہیں مجھے بتایا کہ میں گلشن اقبال سے آفس جایا کرتا تھا ، ڈرائیور کار چلاتا تھا ، اور میں کار میں بیٹھا رہتا تھا ۔ اسی میں بدنگاہی بھی ہو جاتی تھی ، ظاہر ہے جب کوئی بیکار بیٹھے گا تو کچھ نہ کچھ تو کار کرتا رہے گا ، لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی ۔ اب باوضو بیٹھتا ہوں ، قرآن شریف ساتھ لے کر اور ایک پارہ جاتے ہوئے اور ایک پارہ آتے ہوئے تلاوت کر لیتا ہوں

دو پاروں کی تلاوت کا ثواب بھی ملا اور نگاہ کی حفاظت بھی ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے بزرگوں کی دعاؤں کی برکت سے یہ بات اُن کے دل میں ڈال دی۔ کہتے ہیں اب کہیں دیکھتا ہی نہیں ؎

اب نہ کہیں نگاہ ہے اب نہ کوئی نگاہ میں
محو کھڑا ہوا ہوں میں حسن کی جلوہ گاہ میں (اصغرؔ)

اصغر گونڈویؒ کا شعر غضب کا شعر ہوتا ہے۔ یہ شخص بہت ہی صاحب نسبت عشق الٰہی سے جلا بھنا آدمی تھا۔ فرماتے ہیں ؎

ترے جلووں کے آگے ہمت شرح و بیاں رکھدی
زبانِ بے نگہ رکھدی نگاہ بے زبان رکھدی

زبان میں نظر نہیں ہے اور نظر میں زبان نہیں ہے۔ بعض وقت آدمی دیکھتا ہے اور حیران رہ جاتا ہے۔ زبان سے بتا نہیں سکتا کہ کیا دیکھا اور کبھی دل میں سب ہے زبان سے تعبیر نہیں کرتا۔ تو نگاہ بے زبان اور زبان بے نگاہ کو کیسا باندھا ہے۔

ترے جلووں کے آگے ہمت شرح و بیاں رکھدی
زبان بے نگہ رکھدی نگاہ بے زباں رکھدی

میاں! یہی جلا بھنا دل ملتا ہے بزرگوں کی صحبتوں کے صدقہ میں، حضرت مولانا الیاسؒ صاحب جنھوں نے تبلیغی جماعت کی بنیاد ڈالی ایک عمر مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی جوتیاں اٹھائی تھیں، رات دن خدمت کرتے تھے۔ ایک ولی اللہ کی خدمت سے اتنا بڑا کام ہوا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ مشائخ کی کیا ضرورت ہے۔ میں کہتا ہوں کہ پھر کسی خشک عالم سے تبلیغی جماعت کیوں نہیں قائم ہوئی۔ اس عالم سے کیوں قائم ہوئی جس نے اولیاء اللہ کی جوتیاں اٹھائیں۔ یہی دلیل ہے کہ اولیاء اللہ ہی سے ملا یہ درد اور امت کا یہ غم ان کو۔ مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوریؒ حضرت مولانا گنگوہیؒ کے خلیفہ ہیں اور مولانا گنگوہیؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے خلیل کو اللہ تعالیٰ نے نسبت صحابہ عطا فرمائی ہے، اتنے بڑے عالم تھے کہ ابو داؤد کی شرح بذل المجہود سفر حج کے دوران لکھدی۔ کوئی کتب خانہ نہیں تھا خود چلتے پھرتے کتب خانہ تھے۔

تو علامہ کی شرح کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو چاہیئے کہ ایسے افعال سے بچے جو شیطان کے افعال سے مشابہ ہیں، یعنی شیطان اور شیطان کے افعال کی نقل نہ کرو۔ اللہ کے نیک بندوں صالحین کی نقل کرو جب صالحین کی شکل بنائیں گے تو صالحین کی حقیقت بھی دل میں اتر جائے گی اور اگر شیاطین کی شکل بنائیں گے تو ان کی حقیقت بھی اتر جائے گی، ویسی ہی عادتیں اندر آجائیں گی کیونکہ پہلے ظاہر بنتا ہے پھر باطن بنتا ہے جس طرح پہلے جسم بنتا ہے بعد میں روح آتی ہے۔

ملا علی قاریؒ نے اس حدیث کی شرح ایک اور حدیث سے کی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔

حدیث | لا تاکلوا بالشمال فان الشیطان یاکل بالشمال۔

ترجمہ: تم بائیں ہاتھ سے مت کھاؤ کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے۔ اور ایک اور حدیث نقل فرمائی ہے جس کے راوی حضرت ابوہریرہؓ ہیں فرماتے ہیں۔

حدیث | اذا اکل احدکم فلیأکل بیمینہ ولیشرب بیمینہ ولیأخذ بیمینہ ولیعط بیمینہ فان الشیطان یأکل بشمالہ ویشرب بشمالہ ویعطی بشمالہ ویأخذ بشمالہ۔

ترجمہ:۔ جب تم میں سے کوئی کھائے تو دائیں ہاتھ سے کھائے اور جب پیئے تو دائیں ہاتھ سے پئے، اور جب کچھ لے تو دائیں ہاتھ سے لے اور جب کسی کو کچھ دے تو بائیں ہاتھ سے دے کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا اور بائیں ہاتھ سے پیتا ہے اور جب اپنے چیلوں کو کچھ دیتا ہے تو بائیں ہاتھ سے دیتا ہے اور جب کچھ لیتا ہے تو بائیں ہاتھ سے لیتا ہے یعنی شیاطین کا کھانا پینا، لینا دینا بائیں ہاتھ سے ہوتا ہے۔

اور اس حدیث سے یہ نئی بات معلوم ہوئی کہ اگر کسی کو کوئی نعمت دینا ہو تو دائیں ہاتھ سے ہی دینا چاہیئے اور لینا ہو تو دائیں ہاتھ میں لیوے۔ مثلاً کتابیں ہمیشہ داہنے ہاتھ میں لیوے اور جوتا بائیں ہاتھ لیوے۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان للشیطان یدین کہ شیطان کے بھی دو ہاتھ ہوتے ہیں۔

حدیث | وعن عبد اللہ بن بسر قال نزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیٰ ابی فقربنا الیہ طعاما و وطبۃ فاکل منھا ثم اتی بتمر فکان یاکلہ ویلقی النوی بین اصبعیہ ویجمع السبابۃ والوسطیٰ وفی روایۃ فجعل یلقی النوی علیٰ ظھر اصبعیہ السبابۃ والوسطیٰ ثم اتی بشراب فشربہ فقال ابی وأخذ بلجام دابتہ ادع اللہ لنا فقال اللھم بارک لھم فیما رزقتھم واغفر لھم وارحمھم۔ رواہ مسلم (مشکوٰۃ ص۲۱۳ مرقاۃ ج۵ ص۲۰۳)

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے ابا جان کے یہاں تشریف لائے۔ ہم سب گھر والوں نے خوشی کے مارے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانا پیش کیا۔ اور وہ ملیدہ پیش کیا جو عرب کے لوگ آٹا کھجور اور گھی ملا کر بنایا کرتے تھے۔ جب آپ نوش فرما چکے تو پھر ہم نے تھوڑی سی کھجوریں بھی پیش خدمت کیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھجوریں کھاتے جاتے تھے اور گٹھلیوں کو بیچ والی اور شہادت کی انگلی کے درمیان رکھ کر اور ایک روایت کے مطابق اوپر رکھ کر پھینکتے جاتے تھے

اس کے بعد ہم لوگوں نے آپ کو پانی پیش کیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پانی پی لیا۔ پس میرے باپ نے کہا اور اس وقت کہا جب آپ سواری پر بیٹھ گئے واخذ بلجام دابته تو آپ کی سواری کی لگام پکڑ کر درخواست کی ادع اللہ لنا اے اللہ کے رسول آپ ہم سب کے لئے اللہ سے دعا کر دیجئے۔

محدث عظیم ملا علی قاریؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ صحابیؓ کے کمال فہم کو دیکھئے کہ انھوں نے کھانے کے فوراً بعد دعا کی درخواست نہیں کی ورنہ لازم آتا ہے کہ گویا کھانا کھلا کر بدلہ مانگ رہا ہے انه طلب الدعاء عند رکوبه لا عند فراغه من اکله یعنی صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے سے فارغ ہونے کے فوراً بعد دعا کی درخواست نہیں کی بلکہ اس وقت کی جب آپ رخصت ہونے لگے اور سواری پر بیٹھ گئے۔ اسی لئے بزرگوں نے لکھا ہے کہ ہدیہ دے کر فوراً دعا کے لئے درخواست مت کرو، ورنہ معلوم ہوگا کہ دعا کا معاوضہ دے رہا ہے اور دعا عبادت ہے اور عبادت کا معاوضہ جائز نہیں۔ لہٰذا اس کی مشابہت سے بھی بچنا چاہیئے اس لئے ہدیہ دے کر رک جاؤ کسی اور کام میں لگ جاؤ پھر جب مجلس بدل جائے یا مہمان جانے لگے تب دعا کے لئے کہدو۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے تین مسئلے ثابت ہوئے:۔

(۱) انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے دعا کی درخواست کرنا۔

(۲) کھانے کے فوراً بعد مہمان سے دعا کے لئے نہ کہنا بلکہ تھوڑا فصل کر دینا لہٰذا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر بیٹھ چکے تھے اس وقت دعا کی درخواست پیش کی کھانے کے فوراً بعد نہیں۔

(۳) میزبان کو یہ حق ہے کہ وہ اپنے مہمان سے دعا کی درخواست کرے تاکہ صحابی کی سنت ادا ہو جائے یعنی میزبان اپنے مہمان سے دعا کی درخواست کرے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابیؓ کو تین دعائیں دی ہیں لہٰذا اگر مہمان میزبان کو یہ تین دعائیں دے تو ایک سنت اور زندہ ہو جائے گی۔ وہ تین دعائیں یہ ہیں:

(۱) اللهم بارك لهم فيما رزقتهم اے اللہ ان گھر والوں کو برکت دیجئے اس رزق میں جو آپ نے اُن کو عطا فرمایا۔ معلوم ہوا کہ رزق کی برکت کی دعا کرنی چاہیئے اور برکت کے کیا معنی ہیں۔ حضرت مفتی شفیع صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ برکت کے معنی ہیں قلیل کثیر النفع یعنی کم ہو لیکن نفع زیادہ ہو۔ لیکن محدث عظیم ملا علی قاریؒ نے برکت کی جو شرح فرمائی ہے وہ یہ ہے وعلامة البركة القناعة وتوفيق الطاعة۔ برکت کے معنی یہ ہیں کہ قناعت حاصل ہو جائے اور عبادت کی توفیق ہو جائے۔ یعنی دل کی ہوس اور پریشانی ختم ہو جائے اور ایک قسم کا سکون واطمینان پیدا ہو جائے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے دل اس پر مطمئن اور قانع ہو جائے۔ یہ نہیں کہ دو ہزار تنخواہ پا رہا ہے تو اب پانچ ہزار کے لئے پاگلوں کی طرح بے سکون پھر رہا ہے۔ کوشش کرنا اور چیز ہے لیکن دماغ پاگل اور پریشان نہ ہو۔ ہوس نہ ہو۔ دل مطمئن رہے اور یہی اصل مالداری ہے جس میں دل مالدار ہو ورنہ اگر جسم مالدار ہے، جیب اور بریف کیس میں لاکھوں روپے ہیں لیکن دل میں قناعت

نہیں مزید مال کی ہوس سے ہر وقت پریشان ہے تو یہ کوئی مال داری نہیں۔ دل کا غنا اصل غنا ہے۔ تو برکت کی دو تعریف ہے۔

① حصول قناعت ② توفیق طاعت۔ معلوم ہوا جس رزق کو کھا کر عبادت کی توفیق نہ ہو سمجھ لو اس رزق میں برکت نہیں ہے۔

② دوسری دعا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی واغفر لھم یعنی ان کے سارے گناہوں کو معاف فرما دیجئے۔

③ تیسری دعا وارحمھم اور ان پر رحمت نازل فرمایئے۔ رحمت کی شرح ملا علی قاریؒ یوں کرتے ہیں اے تفضل علیہم یعنی بلا استحقاق ان پر مہربانیاں کر دیجئے اگرچہ اس قابل نہیں ہیں مگر عطا فرما دیجئے اور حضرت حکیم الامت نے رحمت کی چار تعریف کی ہے۔

① توفیق طاعت ② فراخی معیشت یعنی رزق میں برکت ③ بے حساب مغفرت ④ دخول جنت جب اللہ تعالیٰ سے رحمت مانگو تو یہ چار نیتیں کر لو کہ اے اللہ یہ سب عطا فرما دیجئے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علی النبی الکریم

نقد و تبصرہ

نام کتاب: **خلافت راشدہ نور قرآن میں** مؤلف: ابو خالد عبد الرشید

سائز: ۲۳×۱۸/۱۸ ، کل صفحات: ۲۵۶ ، قیمت مجلد: -/۳۰ روپے

ناشر: ادارہ صراطِ مستقیم، ۵۹-بی-تاج سینٹر-شاہ فیصل کالونی ۱ ، کراچی ۲۵ ،

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جس مقدس گروہ کا نام ہے وہ امت کے عام افراد و رجال کی طرح نہیں۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امت مسلمہ کے درمیان ایک مقدس واسطہ ہونے کی وجہ سے ایک خاص مقام اور عام امت سے امتیاز رکھتے ہیں۔ یہ مقام امتیاز ان کو قرآن و سنت کی نصوص و تصریحات کا عطا کیا ہوا ہے اور اس لئے اس پر امت کا اجماع ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی خلفاء راشدین تمام امت میں افضل اور بلند مقام کے حامل ہیں زیر تبصرہ کتاب انہی برگزیدہ اور مقدس خلفاء راشدین کا پاکیزہ تذکرہ ہے۔

ابتداء میں خلفاء راشدین کا مختصر سا تعارف شامل ہے، جس میں ہر خلیفہ راشد کی شان میں پانچ پانچ احادیث نبویؐ درج کی گئی ہیں۔ شروع میں خلافت راشدہ پر بحث کی گئی ہے اور متعدد قرآنی آیات سے اس کی فضیلت و اہمیت کو واضح کیا ہے۔ اس سلسلہ میں مختلف احادیث اور دیگر کتب کے حوالہ جات سے پورا پورا استفادہ کیا گیا ہے، اور ان جملہ دلائل سے واضح طور پر ثابت کیا ہے کہ خلافت راشدہ برحق ہے اور بین الخلفاء مراتب کی ترتیب وہی صحیح ہے جو ان کی خلافت کے سلسلے میں ظہور میں آئی۔

ہر عبارت کا حوالہ مع صفحہ دیا گیا ہے۔ عبارت عام فہم اور دلائل مستحکم ہیں۔ اس طریقے سے اس کی اہمیت میں اضافہ ہو گیا ہے۔ نیز یہ کہ مؤلف کا قلم افراط و تفریط سے بھی بالکل محفوظ ہے۔ کتاب بہترین کاغذ اور عمدہ طباعت کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ مؤلف کی اس محنت کو قبول فرمائے اور مسلمانوں کی اصلاح و ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

(ا۔ا۔خ۔ س)

نام کتاب: **اسلامی عقائد کی تفصیل** از: حضرت حکیم الامت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہٗ

سائز: ۳۰×۲۰/۱۶ ، کُل صفحات: ۳۲ ، قیمت: ایک روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیجکر ذیل کے پتے سے مُفت حاصل کریں۔ پتہ: مجلس صیانۃ المسلمین۔ معرفت دُکان مستری نظام الدین، ڈاک خانہ ہارون آباد، ضلع بہاولنگر۔

جب تک کسی مسلمان کے بُنیادی عقائد درست نہ ہوں وہ کامل مسلمان نہیں بن سکتا۔ دورِ حاضر میں دین سے غفلت اور دوری کے سبب بہت سے مسلمانوں کو دین کے بنیادی عقائد کا کوئی علم نہیں ہے۔ مجلس صیانۃ المسلمین کے کارکنان مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کی توفیق اور دینی جذبہ سے حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کی مشہور کتابوں بہشتی زیور اور تعلیم الدین سے اسلامی عقائد جمع کر کے شائع کر دیا۔ زبان آسان اور عام فہم ہے۔ یہ مجموعہ ہر مسلمان مرد و عورت کے کام کا ہے۔ اللہ تعالیٰ زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(ا۔ا۔خ۔ س)

نام کتاب: **حقیقت انسان مشکوٰۃ معرفت رحمٰن** مؤلف: اخلاق احمد عثمانی موسوم کلیم عثمانی مدظلہٗ

سائز: ۱۸×۲۳/۸ ، کُل صفحات: ۸۸ ، قیمت: درج نہیں۔

پتہ: دبستان عثمانیہ بلاک۔ سی۔ ۱۳/ اے۔ ۱۳۰۔ گلشن اقبال۔ کراچی۔

جناب الحاج اخلاق احمد عثمانی موسوم بہ کلیم عثمانی مدظلہٗ، حضرت حکیم الاسلام علامہ قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کے خلیفۂ مجاز ہیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے دینی خدمات کا عظیم جذبہ عنایت فرمایا ہے۔ آپ نے اس سے قبل بھی کئی اصلاحی و اسلامی کتابیں تالیف فرما کر لوگوں میں مُفت تقسیم فرمائی ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب حکیم الاسلام حضرت علامہ قاری محمد طیب صاحب رحؒ کے علوم و معارف کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔ اس کتاب کا جملہ مواد حضرت قاری صاحب رحؒ کے مضامین سے لیا ہے۔ آپ نے علوم طیبؒ کو آسان اور سادہ زبان میں سلیقہ سے پیش فرمایا ہے۔

اس کتاب کا بنیادی مقصد انسان کو دنیا میں آمد کی وجہ بتائی گئی ہے کہ انسان کی دُنیا میں آمد کا

مقصد وحید خدا تعالیٰ کی عبادت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہے۔ اور اس کے لئے اسی کی پیروی میں نجات ہے۔ مندرجہ ذیل عنوانات کے ذریعہ اس کی مزید وضاحت ہوتی ہے۔

(باب اول) انسان کی پیدائش کا مقصد، رُوح کے ارتقائی مراحل و مقاصد، حقیقت انسان،
(باب دوم) انسان کا بلند مقام، انعامات الٰہیہ، خلافت ارضی، ضمیر اور عقل کا عطیۂ خاص، حواس خمسہ کی تشریح، انسان پر اللہ تعالیٰ کا عظیم الشان احسان و اکرام، امت محمدیہؐ پر خصوصی قانون مکافات، قانون فطرت، قانون طبعی، قانون مکافات، تلافی مکافات، جیسے اہم اور بنیادی عنوانات پر مفصل بحث کی گئی ہے۔

کتاب انتہائی دلچسپ اور سبق آموز ہے۔ کاغذ اور طباعت عمدہ ہے۔ ہر مسلمان کے مطالعہ کے لائق ہے۔ اس کے مطالعہ سے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا نقش گہرا ہوگا اور نماز کی رغبت پیدا ہوگی۔ اللہ تعالیٰ مؤلف کی محنت کا عظیم صلہ عنایت فرمائے اور لوگوں کی اصلاح و ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔ ——————— (ا۔ا۔خ۔س)